مسئلہ افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کی صداقت پر ایک فیصل تحقیق

زُبدَةُ التَّحقِیق

میں استدلال کردہ احادیث و روایات کا

تنقیدی و تحقیقی جائزہ

تجزیہ کار

نقاد العصر فیصل خان رضوی

دارُالاسلام

۸ رسی پہلی منزل محی الدین بلڈنگ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
+92-321-9425765 +92-42-37115165

ھذا من فضل ربی

مسئلہ افضلیت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کی صداقت پر ایک فیصل تحقیق

زُبدَۃُ التَّحقِیق

میں اِستدلال کردہ احادیث وروایات کا

تنقیدی وتحقیقی جائزہ

تجزیہ کار:

فیصل خان

دارالاسلام

۸ سی، پہلی منزل محی الدین بلڈنگ

داتادربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور، پنجاب، پاکستان

+92-42-37115165 +92-321-9425765

darulislam21@yahoo.com

www.facebook.com/ Razaulhassan Qadri

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ — اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

فیضانِ نورِ علم

امامِ اعظم علی الاطلاق مؤسسِ فقہ حنفی ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ

اِمام المتکلمین مسد ضلائل المبطلین مصحح عقائد المسلمین ابو منصور محمد ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

غوثِ اعظم شیخ طریقت حضرت سیدی محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

برکۃ المصطفیٰ فی الہند شیخ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت اِمامِ اہلِ سُنّت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

میرِ مجلس

ذکی العصر فیلسوفِ اِسلام اشرف العلما اِمامِ اہلِ سُنّت حضرت شیخ الحدیث

علامہ ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی حفظہ اللہ

دار العلوم شمسیہ رضویہ، سلاں والی، سرگودھا

اعیانِ مشاورت

حضرت ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی، پروفیسر محمد اقبال مجددی، علامہ محمد اعظم سعیدی

پیر سائیں غلامِ رسول قاسمی، مولانا غلامِ نصیر الدین چشتی، قاری محمد لقمان قادری

صاحب الارشاد • **مؤسس ومدیر**

فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ مفتی غلامِ حسن قادری — محمد رضاء الحسن قادری

سلسلۂ مطبوعات: ۱۸، طبع: ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء، قیمت: 30 روپے NET

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

مسئلہ افضلیت شیخین جو کہ اہل سُنّت و جماعت کے مسلمہ عقائد کی قبیل سے تھا گذشتہ کچھ عرصہ سے متنازع فیہ کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔ جیسا کہ اس مسئلہ پر جناب محترم قبلہ سیّد عبد القادر جیلانی صاحب کی کتاب زبدۃ التحقیق کچھ عرصہ پہلے منظر عام پر آ چکی ہے۔ میرے مطالعہ میں جو نکات سامنے آئے ہیں، میں اس کو نہایت ہی ادب سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس تصنیف کا مقصد کسی کی تنقیص کرنا نہیں بلکہ حقائق کو سامنے لانا ہے۔ میں قبلہ شاہ صاحب سے حسن ظن رکھتا ہوں کہ ان کے علم میں شاید یہ نکات نہ ہوں۔ میں نے متعدد بار قبلہ شاہ صاحب سے ملاقات اور فون پر بات کرنا چاہی تا کہ ان کے رو برو یہ معروضات عرض کر سکوں۔ مگر شاہ صاحب کے مریدین اور ایک خاص شاگرد نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ شاہ صاحب ناراض ہو جائیں گے وہ عام بندہ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔

اس بات سے شاید کسی کو یہ سوچنے کا موقعہ ملے کہ کدھر شاہ صاحب کا علمی مقام اور مطالعہ اور کہاں مجھ جیسا نا چیز اور کم علم بندہ۔ عرض یہ ہے کہ حقیقت تو یہ ہی ہے کہ بندہ بڑا ہی کم علم ہے اور اپنی علمی حیثیت کا بھی احساس ہے۔ مگر تحقیق کے میدان میں کوئی شخص کلی علم کا دعویٰ یا خطا سے مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ میں نے اس مضمون میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی۔ سارے اقوال محدثین کرام اور علمائے کرام کے ہی پیش کر کے قارئین کرام کی صواب دید پر چھوڑ دیے ہیں کہ وہ خود فیصلہ کریں اور اگر میری اس تالیف سے اختلاف ہو تو آگاہ کریں تا کہ راقم کو اپنی اصلاح کا موقع مل سکے۔ ایک اور بات بھی عرض کرتا چلوں کہ میں اس مسئلہ میں اختلاف کی بجائے اہل سُنّت میں اتفاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ میری گذارش ہے کہ اہل سُنّت کے اکابرین اس مسئلہ کی طرف توجہ دیں اور اہل سُنّت کو تقسیم ہونے سے روکا جائے۔ ویسے بھی اہل سُنّت کا جو حال ہو چکا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی ذاتی انا کی تسکین کی بجائے اہل سُنّت کی خدمت کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

فیصل خان

شاہ صاحب کا عقیدہ

محترم قبلہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب زبدۃ التحقیق ص ۱۰۹ پر اپنا عقیدہ کچھ یوں لکھتے ہیں:

"ہمارا اپنا عقیدہ بہ حیثیت سُنّی کے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہ حیثیت خلیفہ رسول اللہ ﷺ برحق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے۔ مگر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے اُمت کو سُنّیت سے خارج نہیں کیا جا سکے گا جو ہماری اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

قبلہ محترم شاہ صاحب کا یہ موقف دو نکات پر مشتمل ہے:

1: ان کا اپنا عقیدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا افضل الامت ہونے کا ہے۔

2: جن صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل الامت نہیں مانا ان کو سُنّیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحب کے موقف کی تنقیح

قبلہ محترم شاہ صاحب کے اس موقف کے دونوں پہلو کی تنقیح اور وضاحت تفصیل طلب ہے تا کہ معاملہ واضح اور آشکار ہو سکے۔ قبلہ محترم شاہ صاحب نے دعویٰ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل الامت ہونے کا کیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ زبدۃ التحقیق ص ۱۰۵ اور ص ۱۰۸ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد ص ۱۰۸ پر ان احادیث پر اعتراض بھی وارد کیے جس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر علمائے اہل سُنّت نے دلیل لی ہے۔ مقصد واضح ہے کہ ایک طرف تو قبلہ شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۱۹۹ پر لکھیں کہ

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بہ حیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے اور اس حیثیت سے آپ افضل الامت ہیں۔"

مگر ساتھ ہی ساتھ شاہ صاحب زبدۃ التحقیق میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی احادیث پر اعتراضات بھی وارد کرتے نظر آ رہے ہیں۔

اہم نوٹ:۔ میں محترم قبلہ عبد القادر شاہ صاحب سے ادباً ایک سوال ضرور کروں گا کہ حضور

آپ کے نزدیک اگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ افضل الامت ہیں تو آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیوں کہ قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۱۰۹ پر اس موقف کو "اپنا عقیدہ" لکھا ہے۔

اور میں یہ عرض کر دوں کہ قبلہ شاہ صاحب نے خود زبدۃ التحقیق ص ۴۰۰ کے آخری سطر میں یہ لکھا ہے کہ

"افضلیت تو باب عقائد کی چیز ہے۔ جس میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے۔"

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عقیدہ افضلیت میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا محترم قبلہ شاہ صاحب کو اپنا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل قطعی پیش کرنا ہوگی۔ کم از کم قبلہ شاہ صاحب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو افضل الامت کہنے کی کوئی قطعی دلیل تو پیش فرمائیں تاکہ معاملہ واضح ہو سکے۔

اب ہم محترم قبلہ شاہ صاحب کے موقف کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ محترم قبلہ شاہ صاحب کے موقف کے دوسرے پہلو کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ "کیوں کہ افضلیت کے مسئلہ میں دیگر روایات مختلف صحابہ کرام سے دیگر صحابہ کرام کی افضلیت میں بھی موجود ہیں" یعنی کچھ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت زبیر بن العوام ؓ کو افضل کہا، کسی نے سیّدہ فاطمۃ الزہرا ؓ کو افضل کہا، کسی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو افضل کہا گیا، کسی روایت میں ازواج مطہرات کو افضل کہا گیا ہے۔ الغرض قبلہ عبدالقادر شاہ صاحب نے متعدد اقوال اور روایات کی روشنی میں یہ اصول وضع کر دیا کہ اگر کوئی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو افضل نہ مانے تو اسے اہل سنّت سے خارج نہیں کرنا چاہیے۔ اہل سنّت سے کیوں خارج نہیں کرنا چاہیے۔

اس اصول کی بنیاد قبلہ محترم شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۵۴ پر کچھ یوں فرمائی ہے:

"ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

سب صحابہ کرام ؓ کو مینار ہدایت سمجھا لہٰذا ان میں کسی کے قول کی بھی پیروی کی جائے تو موجب رشد و ہدایت ہوگی۔"

محترم قبلہ شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۲۶۸ پر مزید لکھتے ہیں:

"حاصل کلام یہ ہوگا کہ جب صحابہ کرام ؓ میں اجماع نہیں ہو سکا تو ان کے اقوال خلافیہ سے باہر نہیں جایا جا سکتا بلکہ اُن میں سے کسی ایک قول کے اختیار کر لینے کی

اجازت ہوگی۔ کیوں کہ صحابہ کرام ؓ میں حق دائر ہے۔"

نکتہ:۔ قبلہ شاہ صاحب کے اس موقف کے بھی دو پہلو ہیں:

1: اجماع نہ ہو تو صحابہ کرام کے اقوال خلافیہ میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرنا حق ہوگا۔

2: دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اجماع ہو جائے تو پھر اقوال خلافیہ میں سے کسی بھی ایک قول کو اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یعنی جب اجماع منعقد ہو جائے تو اقوال خلافیہ میں سے کسی بھی قول کو اختیار کرنا غلط ہوگا اور ایسے تمام اقوال جو اجماع کے خلاف ہوں تو شاذ ہو کر ان سے استدلال باطل ہو جائے گا۔ مگر اس کے برعکس قبلہ محترم شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۲۴۳ پر صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے اجماع افضلیت ابوبکر صدیق ؓ نہیں مانتے ہیں۔ قبلہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"جب اتنے اکابر کا اختلاف موجود تھا اور آج تک ہے تو پھر جناب ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت پر اجماع کیسے ہو سکتا تھا؟"

قبلہ شاہ صاحب کا یہ موقف بھی روایات کی روشنی میں مضبوط نہیں ہے۔

اَب ہم محترم قبلہ شاہ صاحب کے اس موقف کہ "اصحابی کالنجوم ...... کسی کے قول کی بھی پیروی کی جائے تو رشد و ہدایت ہوگی" زبدۃ التحقیق ص ۲۵۴ پر ایک فکری اور تحقیقی نقطہ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اس سے قبل یہ بھی عرض کر دیں کہ محترم قبلہ شاہ صاحب نے جن جن روایات سے استدلال کرتے ہوئے دیگر صحابہ کرام وغیرہما کو بھی افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان روایات کی استنادی حیثیت بھی محل نظر ہے، جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔ عوام الناس پر یہ واضح ہو کہ مسئلہ افضلیت میں ضعیف حدیث یا روایات سے استدلال نہیں ہو سکتا ہے۔ اور ان روایات کو (جو نہ تو سنداً ثابت ہیں اور نہ ہی جن سے مدعا ثابت کیا جا سکتا ہے) وہ پیش کر کے اجماع نہیں توڑ سکتے ہے۔

حدیث أصحابی کالنجوم کی اسنادی حیثیت

محترم قبلہ شاہ صاحب کے موقف کی بنیاد حدیث اصحابی کالنجوم کا بھی قارئین کرام کے لیے مختصر اجائزہ پیش خدمت ہے:

1: امام مزنی رحمہ اللہ حدیث اصحابی کالنجوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان صح هذا الخبر فمعناه! فيما نقلوا عنه وشهدوا به عليه فكلهم ثقة مؤتمن على ما جاء به لا يجوز: عندي غير هذا وأما ما قالوا فيه برأيهم فلو كانوا عند أنفسهم كذلك ما خطأ بعضهم بعضاً و لا أنكر بعضهم على بعض ولا رجع منهم أحد الى قول صاحبه فتدبر. (جامع بیان العلم ۲/۱۱۶)

ترجمہ: امام مزنی رحمہ اللہ نے حدیث اصحابی کالنجوم کی تشریح میں کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہے (جو کہ ضعیف ہے) تو معنی یہ ہیں کہ روایت دین میں تمام صحابی ثقہ اور معتبر ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی معنی میرے نزدیک درست نہیں کیوں کہ اگر خود صحابہ اپنی رائے کو ہمیشہ صائب اور غلطی سے مبرا سمجھتے ہوتے تو نہ آپس میں ایک دوسرے کی تغلیط کرتے اور نہ کبھی اپنے کسی قول سے رجوع کرتے، حالانکہ بے شمار موقعوں پر صحابہ کرام ایسا کر چکے ہیں۔

2: محدث بزار رحمہ اللہ حدیث اصحابی کالنجوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

هذا الكلام لا يصح عن النبي ﷺ۔ (جامع بیان العلم ۲/۱۱۶)

یعنی یہ کلام (اصحابی کالنجوم) نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

مزید یہ کہ محدث بزار رحمہ اللہ نے حدیث اصحابی کالنجوم کو صحیح حدیث عليكم بسُنّتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين بعدي کے بھی خلاف لکھا ہے۔

(ملاحظہ کریں: جامع بیان العلم ۲/۱۱۷)

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس روایت میں راوی ضعیف ہیں مگر طوالت کی وجہ سے اس مقام پر صرف محدث بزار رحمہ اللہ کا حوالہ نقل کر دیا ہے۔ اگر کسی نے اس حدیث پر کلام کیا تو ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو ہوگی۔

اصحابی کالنجوم کا حقیقی مفہوم

محترم قبلہ شاہ صاحب نے اقوال اختلافیہ پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

مسئلہ افضلیت میں کسی بھی صحابی کا کوئی بھی قول در باب افضلیت میں اگر قبول کر لیا جائے تو وہ حق ہوگا اور اس طرح اہل سنت سے خارج نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ وغیرہما کے فضیلت کے بارے میں بھی چند روایات قبلہ شاہ صاحب نے نقل کیں ہیں۔ اَب ان روایات نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر ان مندرجہ بالا میں سے کسی صحابی کے قول کو بھی مان لیں تو وہ حق ہوگا اور اس موقف کی بنیاد اصحابی کالنجوم والی روایت بھی تھی۔

اب اس موقف پر اپنی رائے دینے سے بہتر ہے کہ قبلہ محترم قبلہ شاہ صاحب کے نزدیک معتبر حافظ ابن عبدالبر کی تحقیق پیش کر دی جائے تا کہ عوام الناس کو اس معاملہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ ص ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اختلاف الفقهاء في هذا الباب على قولين: أحدهما: أن اختلاف العلماء من الصحابة ومن بعدهم من الأئمة رحمهم الله رحمة واسعة، و جائز لمن نظر في اختلاف أصحاب رسول الله ﷺ أن يأخذ بقول من شاء منهم، كذلك الناظر في اقاويل غيرهم من الأئمة ما لم يعلم أنه خطأ، فاذا بان له أنه خطأ الخلافة نص الكتاب أو نص النسة أو اجماع العلماء لم يسعه اتباعه فان لم يبين له من هذه الوجوه جاز له استعمال قوله، و ان لم يعلم صوابه من خطئه وصار في حيز العامة التي يجوز لها أن تقلد العالم اذا سألته عن شئ و ان لم تعلم وجهه، هذا قول يروٰى معناه عن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه و القاسم بن محمد و عن سفيان الثوري ان صح عنه، و قال به قوم و من حجتهم على ذٰلك قوله ﷺ: أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم" وهذا مذهب ضعيف عند جماعة من أهل العلم و قد رفضه أكثر الفقهاء وأهل النظر. (جامع بیان العلم ۲/۹۵)

ترجمہ: اس باب میں فقہائے اسلام کے دو قول ہیں ایک یہ کہ صحابہ اور بعد کے ائمہ کا اختلاف رحمت و وسعت ہے اور یہ کہ ہر صحابی کے قول پر عمل کرنا جائز ہے۔ اسی

طرح ائمہ کے مختلف اقوال میں سے جس قول کو لے لیا جائے جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کتاب وسنّت کی نص صریح یا علماء امت کا اجماع اس کے خلاف موجود نہ ہو مگر علم سے بے بہرہ عوام کے عالم کی تقلید بلا اختلاف جائز ہے۔ یہ قول عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ علمائے کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی بھی اقتدا کرو، ہدایت پاؤ گے۔ لیکن اہل علم کا ایک بڑا طبقہ اس مذہب کو ضعیف قرار دیتا ہے اور اکثر فقہاء وعلماء نے اسے مسترد کردیا ہے۔

(اب بات یہ ہے کہ پھر ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اگر ایسے حالات کسی معاملہ میں پیدا ہو تو حافظ ابن عبدالبر نے اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

و أما مالك والشافعي ومن سلك سبيلهما من أصحابهما ، و هو قول الليث بن سعد والأوزاعي وأبي ثور و جماعة أهل النظر: أن الاختلاف اذا تدافع فهو خطاء و صواب و الواجب عند اختلاف العلماء طلب الدليل من الكتاب والسنة والاجماع و القياس على الأصول على الصواب ، منها وذلك لا يعدم فان استوت الادلة وجب المل مع الاشبه بما ذكرنا بالكتاب و السنة فاذا لم يبين ذلك وجب التوقف ، ولم يجز القطع الا بيقين فان اضطر أحد الى استعمال شئ من ذلك في خاصة نفسه جاز له ما يجوز للعامة من التقليد واستعمل عند افراط التشابه و التشاكل وقيام الادلة على كل قول بما يعضده قول رسول الله: البر ما اطمأنت اليه النفس و الاثم ماجاك في الصدر فدع ما يريبك الى ما لا يريبك. هذا حال عن لا ينعم النظر و هو يحسنه و هو حال العامة التي يجوز لها التقليد فيما

نزل بها وأفتا بذلك علماؤها۔ (جامع بیان العلم ۲/۹۲)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، لیث بن سعد رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ، ابوثور رحمہ اللہ اور اہل نظر کی رائے یہ ہے کہ جب ایک ہی مسئلہ میں دو متضاد قول ہوں تو دونوں حق نہیں ہوسکتے۔ لازمی طور پر ایک صحیح ہوگا اور دوسرا غلط۔ ایسی صورت حال میں کتاب وسنّت اجماع امت، اصول مسلمہ پر قیاس کرکے طلب دلیل ضروری ہے۔ اگر طرفین کے دلائل ہم پلہ ہوں اور راجح ومرجوح کا فیصلہ نہ ہوسکے تو جو قول کتاب و سنّت سے زیادہ مشابہ ہو اس کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو سکوت وتوقف بہتر ہے قطعیت کے ساتھ کوئی حکم نہ لگایا جائے۔ اس قسم کے مسائل اگر اپنی ذات کو پیش آئیں تو عوام کی طرح تقلید جائز ہے از حد تشابہ اور تماثل کی صورت میں۔ مگر جب کوئی واضح پہلو سمجھ میں نہ آسکے تو اس حدیث شریف پر عمل کرنا چاہیے: نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو اور بدی وہ ہے جو دل میں کھٹک پیدا کرے جس بات میں تنگی محسوس کرے اسے چھوڑ دو اور جس میں دل کو خلش نہ ہو اسے لے لو 1 لیکن یہ طریقہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو عوام کے درجے میں ہیں اور غور وفکر کی صلاحیت نہیں رکھتے ایسے لوگوں کو یقیناً علماء کے فتویٰ کی پیروی کرنا چاہیے۔ مگر جملہ علما کا اتفاق ہے کہ قاضی اور مفتی کو قضاء وافتاء کے منصب اسی وقت قبول کرنا چاہیے جب کتاب وسنّت اور اجماع امت سے کما حقہ واقفیت ہو اور بوقت ضرورت اجتہاد کی قابلیت بھی رکھیں۔

قارئین کرام! حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے اس قول سے درج ذیل اہم نکات سامنے آئے ہیں:

1: ایک ہی مسئلہ میں اگر دو متضاد یا متعارض اقوال ہوں تو دونوں حق نہیں ہوسکتے۔ صحیح صرف اور صرف ایک ہی قول ہوگا اور ایسی صورت میں کتاب وسنّت اور متفقہ اصولوں پر عمل ہوگا۔

2: اگر طرفین کے دلائل ایک جیسے یا ہم پلہ ہوں تو راجح اور مرجوح کی طرف جانا ہوگا۔ یعنی ایک قول راجح ہوگا اور دوسرا قول مرجوح ہوگا۔

3: اور اگر کوئی راجح اور مرجوح کا بھی فیصلہ نہ کرسکے تو قول کتاب وسنّت سے زیادہ قریب اور مشابہ ہو تو اس کو لینا چاہیے کیوں کہ مرجوح قول پر عمل کرنا غلط ہے۔

4: اگر کوئی قرآن وسُنّت کے مشابہ اقوال بھی نہ اخذ کر سکے تو پھر اس کو توقف کرنا چاہیے اور اس پر کوئی حکم نہ لگائے کیوں کہ اس شخص کو قرآن وسُنّت کے مشابہ اقوال ڈھونڈتے اور اخذ کرنے میں مشکل ہوگی اس لیے ایسے شخص کو توقف کرنا ضروری ہے۔ اور اگر ممکن ہو تو پھر اس مسئلہ میں کسی بڑے عالم کی تقلید کرنی چاہیے۔

5: اور اگر کسی مسئلہ میں واضح پہلو سامنے نہ آئے تو جس طرف دل مائل ہو تو وہ قول اخذ کرنا چاہیے مگر یہ طریقہ صرف عام لوگوں کے لیے ہی ہے کیوں کہ عوام الناس کے اندر غور وفکر کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے۔ مگر صرف دل ہی کی نہ مانے بلکہ ایسی صورت میں علماء کے فتویٰ کی پیروی ضروری ہے۔ عام بندہ یہ نہ کرے کہ صرف دل جس طرف مائل ہو اس طرف کا قول مانے بلکہ عالم کے فتویٰ کی پیروی کرے اور یہاں یہ بات اہم ہے کہ یہ معاملہ صرف اور صرف عوام یا جاہل لوگوں کے لیے ہے۔ علمائے حقانیہ کے احکامات تو اس سے جدا اور الگ ہیں جن کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔

6: آخری نکتہ یہ معلوم ہوا کہ عام یا جاہل آدمی کو کسی عالم کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ فتویٰ بھی ہر شخص کا قابل قبول نہیں ہوتا۔ فتویٰ صرف اور صرف ان علمائے کرام کا قابل قبول ہوتا ہے جس میں کتاب وسُنّت اور اجماع امت سے واقفیت اور اس پر عبور حاصل ہو، اور اگر ضرورت پڑے تو اس میں اجتہاد کی قابلیت بھی ہو۔

7: حافظ عبدالبر کے قول سے یہ بھی واضح ہوا کہ اصحابی کالنجوم سے استدلال کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ کسی بھی صحابی کے کسی بھی قول کو اخذ کرنے سے ہدایت پانے والے مذہب کو ایک بڑے طبقہ اور جمہور علمائے کرام نے ضعیف کہا اور فقہائے کرام نے اس موقف کو رد کر دیا۔

اَب ان کو عوام الناس کے سامنے واضح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت میں قبلہ محترم شاہ صاحب نے بنیاد ہی اقوال متعارضہ اور اصحابی کالنجوم پر رکھا ہے۔ محترم قبلہ شاہ صاحب کا استدلال گذشتہ سطور میں واضح کر دیا ہے کہ ان کا استدلال یہ ہے کہ نصوص متعارضہ مسئلہ افضلیت میں صحابہ کرام سے وارد ہوئے ہیں اور صحابہ کرام کے نصوص متعارضہ میں سے کسی ایک نص یا قول پر عمل کرنے سے ہدایت اور حق پر ہوگا کیوں کہ تمام صحابی ہدایت یافتہ ہیں اور کسی کے بھی ایک قول پر عمل کرنے یا ماننے سے اہل سُنّت سے خارج نہ ہوگا۔

حافظ عبدالبر ﵏ کے قول کا نتیجہ

ا: حافظ عبدالبر ﵏ کے قول سے یہ واضح ہو گیا کہ دو متعارض اقوال میں سے حق ایک کے ہی ساتھ ہوگا۔

مطلب یہ کہ مسئلہ افضلیت میں نصوص متعارضہ میں سے کسی ایک ہی صحابی کا قول حق ہوگا اور اس مسئلہ میں استدلال صرف وصرف قرآن وسُنّت اور متفقہ اصولوں پر ہی ہوگا۔ اور مزید یہ کہ اصحابی کالنجوم سے استدلال بھی صحیح نہیں کیوں کہ علمائے کرام نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بہ صورت دیگر اس حدیث پر عمل کرنے کو ضعیف مذہب قرار دیا ہے۔

۲: محترم قبلہ شاہ صاحب کے پیش کردہ دلائل بالفرض اگر ہم پلہ بھی ہوں (مگر یہ یاد رکھیں کہ قبلہ شاہ صاحب کے پیش کردہ اقوال متعارضہ قوت میں ہم پلہ بھی نہیں ہیں۔ کیوں کہ شاہ صاحب کے پیش کردہ دلائل میں سے 90% روایات ضعیف وموضوع ہیں جن کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ آئندہ پیش کیا جائے گا اور بقیہ 10% روایات بھی اپنے عموم پر نہیں اور استثنائیات کی وجہ سے ان پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ﵁ کی افضلیت کے مقابلے میں یہ باقی ماندہ روایات بھی ہرگز ہرگز ہم پلہ نہیں ہیں) تو پھر بھی ہمیں راجح اور مرجوح کی طرف جانا پڑے گا۔

اور یہ بات علمائے کرام پر مخفی نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق ﵁ کی افضلیت راجح ہے اور مرجوح روایات پر عمل کرنے کا حکم بھی قبلہ شاہ صاحب کو معلوم ہے۔

۳: بالفرض کوئی شخص مسئلہ افضلیت کے بارے میں راجح اور مرجوح کا فیصلہ نہ کر سکے تو قرآن و سُنّت کے زیادہ نزدیک مسئلہ کو ماننا پڑے گا۔ افضلیت ابوبکر صدیق ﵁ قرآن وسُنّت کے زیادہ نزدیک ہے۔ لہٰذا افضلیت ابوبکر صدیق ﵁ کی ہی ماننا پڑے گی۔

۴: اگر کسی عالم کو مسئلہ افضلیت میں قرآن وسُنّت کے مشابہ اقوال بھی نہ مل سکے تو پھر بہ طور تنزل ایسے عالم کو توقف کرنا چاہیے۔ مگر اس توقف سے بھی کام نہیں چلے گا۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کر کے مسئلہ افضلیت کے بارے میں معرفت اختیار کرے۔

۵: اگر کسی عام بندے کو ایسا معاملہ (یعنی مسئلہ افضلیت میں) معاملہ واضح نہ ہو تو وہ اپنے دل

کی بات مانے (یعنی دل جس طرف پر مطمئن ہو) مگر یہ بھی یاد رکھیں یہ اس وقت ہے جب تک وہ کسی عالم کے فتویٰ پر آگاہ نہ ہو اور یہ بھی ذہن نشین رہے یہ معاملہ صرف اور صرف عوام الناس کے لیے ہے عالم پر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

مزید یہ کہ عام آدمی کسی کے فتویٰ پر عمل کر کے مسئلہ افضلیت پر عمل نہیں کر سکتا کیوں کہ مسئلہ افضلیت میں بھی فتویٰ اس عالم کا قابل قبول ہوگا جس کو کتاب وسنّت اور اجماع امت پر عبور حاصل ہو اور اس عالم میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہونی چاہیے۔

اس تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ افضلیت پر اقوال متعارضہ پیش کر کے اور چند علمائے کرام کے توقف والے حوالے پیش کر کے اس مسئلہ میں عوام الناس کو اُلجھانا صریح غلط ہے۔ کیوں کہ اوّل یہ کہ اقوال متعارضہ ہم پلہ نہیں ہیں اور اپنے استدلال میں واضح نہیں ہیں لہٰذا ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوم توقف والے حوالے اگر بالفرض بہ طور تنزل مان بھی لیے جائیں (حالاں کہ جن علمائے کرام کا محترم قبلہ شاہ صاحب نے توقف کا مذہب نقل کیا ہے ان میں اکثر علمائے کرام افضلیت ابوبکر صدیق کے قائل ہیں) تو پھر بھی یہ حوالے کارآمد نہیں کیوں کہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافی مسئلہ میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ مختلف مراتب بیان کر دیے ہیں۔ کیوں کہ جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اس طرح ہر عالم کی معیار علمیت بھی جدا جدا ہوتی ہے۔

نکتہ: قارئین کرام! اس مقام پر یہ یاد رکھیں کہ مسئلہ افضلیت پر بالفرض مختلف اقوال ہوں تو اس طرح کے معاملہ میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ہر عالم کی حیثیت دوسرے عالم سے مختلف ہوتی ہے اور ان کا علم اور مطالعہ بھی الگ الگ ہوتا ہے۔

اگر کسی کے علم میں مسئلہ افضلیت اجماعی ہے تو اس نے مسئلہ افضلیت کو اجماعی لکھا۔ اگر کسی کے علم میں ایسے معاملہ میں توقف کرنے آ گیا تو اس نے اس مسئلہ پر توقف کیا۔ مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ ان میں ہر کسی کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں کیوں کہ جاننے والے کو نہ جاننے والے پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

مزید یہ بھی ذہن نشین رہے کہ محترم قبلہ شاہ صاحب نے جن اقوال متعارضہ سے استدلال کیا ہے ان کی سند اور متن بھی محفوظ نہیں اور یہ کہ ان اقوال سے تعارض ثابت بھی نہیں ہوتا۔ ان اقوال تعارض کی حقیقت ان شاء اللہ آگے مضمون میں آ رہی ہے۔ اور محترم قبلہ شاہ صاحب کو تعارض

ثابت کرنے کے لیے بھی کم از کم دس وجوہات، اصول کی روشنی میں بیان کرنا پڑیں گے۔ صرف تعارض کہہ دینے سے تعارض ثابت نہیں ہوتا جس طرح حدیث کو صحیح کہہ دینے سے حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ بلکہ اصول اسماء الرجال کی روشنی میں راویوں کی توثیق کر کے حدیث صحیح ہوتی ہے۔ لہٰذا محترم قبلہ شاہ صاحب کو تعارض کی شرائط بیان کر کے ان شرائط پر تعارض کو ثابت کرنا پڑے گا۔ لہٰذا مسئلہ افضلیت خالصتاً علمی مسئلہ ہے جس شخص کے سامنے جس طرح کے دلائل آئے اس نے اسی طرح کا حکم بھی لاگو کیا اور جس طرح کا علمی معیار کسی عالم کا ہو اس نے اسی علمی معیار کے مطابق مسئلہ افضلیت کو بیان کیا۔ جس طرح علمائے کرام کا علمی اور تحقیقی معیار میں فرق ہے۔ اس طرح ان کے اقوال اور وضع کردہ اصول وضوابط کی حیثیت بھی الگ اور جدا ہوگی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ یا علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہوگا کیوں کہ امام اعظم مجتہد مستقل مطلق ہیں اور ان کی حیثیت اور رتبہ علمی لحاظ سے بہت بلند ہے۔ لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو فوقیت حاصل ہوگی۔

لہٰذا محترم قبلہ شاہ صاحب کا اس مسئلہ میں عوام الناس کو اُلجھانا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ مسئلہ افضلیت میں متواتر احادیث، نصوص، اجماع اور جمہور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہیں اور محترم قبلہ شاہ صاحب کو کم از کم جمہور کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل ماننا تسلیم ہے۔ ان شاء اللہ ہم افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متواتر احادیث، نصوص اور اجماع بھی اپنی کتاب میں نقل کریں گے تا کہ عوام الناس پر مسئلہ واضح ہو سکے۔

اختلاف صحابہ کرام کی وضاحت

مناسب ہوگا کہ محترم قبلہ شاہ صاحب کے موقف کی بنیاد (کہ صحابہ کرام میں اگر اختلاف ہو تو کسی بھی صحابی کے قول اختیار کرنے سے آدمی اہل سنّت سے خارج نہ ہوگا اور ہدایت یافتہ ہوگا) پر صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین علماء اہل سنّت کے اقوال سے وضاحت کر دی جائے تا کہ کسی قسم کا شک وشبہہ باقی نہ رہے۔

اختلاف صحابہ اور امام لیث رحمۃ اللہ علیہ:

قال يحيىٰ: وبلغني أن الليث بن سعد قال: اذا جاء الاختلاف أخذنا فيه بالأحوط. (جامع بیان العلم، رقم:۱۶۹۶)

ترجمہ: امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کہا کرتے تھے، صحابہ کے اختلاف ہمیں پہنچتے ہیں تو ہم زیادہ محتاط قول کو لیتے ہیں۔

اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام مالک رحمہ اللہ:

أخبرنا عبد الرحمن بن يحيى ثنا احمد بن سعيد ثنا محمد بن زيان ثنا الحارث بن مسكين عن ابن القاسم عن مالك أنه قال في اختلاف أصحاب رسول الله ﷺ مخطئ و مصيب ، فعليك بالاجتهاد. (جامع بیان العلم، رقم:۱۶۹۷)

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا، صحابہ میں بعض حق پر تھے اور بعض سے غلطی ہوئی، اس لیے ان کے افعال پرکھا کرو!

اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قاضی اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ:

وذكر اسماعيل بن اسحاق في كتابه "المبسوط" في اجتهاد الرأي فأما أن يكون توسعة لأن يقول الناس واحد منهم عن غير أن يكون الحق عنده فيه فلا، ولكن اختلافهم يدل على انهم اجتهدوا فاختلفوا قال ابو عمر: كلام اسماعيل هذا حسن جدًّا.

ترجمہ: قاضی اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: صحابی کے اختلافات عمل میں سہولت و وسعت پیدا نہیں کرتے البتہ اجتہاد کی راہ کشادہ کرتے ہیں آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ صحابی کی غلطی لے کر بیٹھ جائے اور کہے یہ صحابہ کا عمل ہے۔ البتہ ان کے اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنے کا حق ضرور ہے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ قاضی اسماعیل کا یہ قول بالکل درست ہے۔

نوٹ: یہاں یہ بات اہم ہے کہ اختلاف میں دونوں روایات کا صحیح اور متعارض ہونا ضروری ہے کیوں کہ ضعیف روایت یا وہ روایت جو اپنے عموم پر نہ ہو تو ایسی روایات کس طرح صحیح روایات سے متعارض ہو سکتیں ہیں۔

اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام مالک رحمہ اللہ:

سماع أشهب: سئل مالك عمن أخذ ، بحديث حدثه ثقة عن أصحاب رسول الله ﷺ أتراه من ذلك في سعة فقال: لا والله حتى يصيب الحق وما الحق والصواب الا واحد. (جامع بیان العلم رقم:۱۷۰۰)

ترجمہ: اشہب کی روایت ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا: اگر ثقہ راوی ایک ہی مسئلہ میں صحابہ سے دو مختلف قول روایت کرے تو کیا ہر قول پر عمل کرنا ٹھیک ہے؟ امام مالک نے جواب دیا: بہ خدا! نہیں، بلکہ جو قول حق ہو اسے لینا چاہیے اور حق ایک ہی ہو سکتا ہے دونوں متضاد قول حق نہیں ہو سکتے۔

اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام شافعی رحمہ اللہ:

أخبرنا احمد بن عبد الله بن محمد، ثنا الميمون بن حمزة الحسيني بمعز ثنا ابوجعفر الطحاوي ثنا ابوابراهيم اسماعيل بن يحيى المزني . قال الشافعي اختلاف أصحاب رسول الله ﷺ أصير فيها الى ما وافق الكتاب أو السنة او الاجماع أو كان أصح في القياس، و قال في قول الواحد منهم ، اذا لم يحفظ له مخالفا منهم صرت اليه و أخذت به اذا لم أجد كتاباً و لا سنة و لا اجماعاً و لا دليلاً هذا وجدت معه القياس قال: و قل ما يوجد ذلك. (جامع بیان العلم رقم:۱۷۰۲)

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: میں اختلاف کی صورت میں اس صحابی کا قول لوں گا جو کتاب وسنّت واجماع امت کے موافق یا قیاس کی کسوٹی پر کھرا اُترے گا اگر کسی مسئلے میں ایک ہی صحابی کا قول ہے اور اس کے خلاف کوئی قول موجود نہیں تو اسے لے لوں گا مگر شرط یہ ہے کہ کتاب وسنّت واجماع کے خلاف نہ ہو اور قیاس پر بھی پورا اترے مگر ایسی صورت شاذ ہی پیش آتی ہے۔

نوٹ: امام اعظم رحمہ اللہ کا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قول ہیں: ایک قول امام شافعی کے ہم

معنی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''میں (یعنی امام اعظم ؒ) جس صحابی کا قول بھی لے لوں، درست ہے۔ اجماع صحابہ سے خروج میرے نزدیک مناسب نہیں تابعین اور دوسرے لوگوں کی جانچ پڑتال کو ضروری سمجھتا ہوں۔''

مگر امام اعظم ؒ کا یہ قول بھی محل نظر آتا ہے کیوں کہ امام اعظم ؒ سے مشہور یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام ؓ اور احادیث میں اختلاف کے وقت فقیہ صحابہ کی حدیث پر عمل کو ترجیح دی۔

امام اعظم مجتہد مستقل مطلق تھے ان کا یہ مقام تھا کہ وہ کسی بھی صحابی کا قول کو لے سکتے تھے۔ یہ حق صرف اور صرف امام اعظم ؒ کو ہی ہے ہر کسی کو یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی صحابی کا قول لے۔ کیوں کہ مجتہد کو ہی ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔

قارئین کرام کے لیے یہ عرض کر دوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو افضل سمجھتے تھے۔ لہٰذا امام عظم ؒ کے قول سے بھی راہ نکالنی مشکل ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجتہد مطلق کو یہ اصولاً حق حاصل ہے کہ وہ صحابہ کرام ؓ کے کسی بھی قول کو لے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ مجتہد بھی کسی مسلمہ اصول کے تحت ہی کسی ایک صحابی کے قول کو لیتا ہے۔ اگر کسی مجتہد نے اگر کسی ایک صحابی کا قول لیا تو وہ اس کے اصول وضوابط بھی بتائے گا۔

قارئین کرام! اگر آپ احادیث کا بہ غور مطالعہ کریں تو متعدد مقامات ایسے موجود ہیں جہاں صحابہ کرام کا ایک دوسرے سے اختلاف ہوا۔ مگر انہوں نے حق کو ہمیشہ واضح کیا اور دوسرے صحابہ کرام نے اس حق کو قبول بھی کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا اپنا قول ہے کہ

''یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہو تو خدا کی توفیق ہے اور اگر غلط تو میری کوتاہی ہے۔''

میرے مطالعہ میں ایسے بہت سارے واقعات ہیں کہ صحابہ کرام کے آپس میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہوا اور انہوں نے ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر سمجھا اگر ایسا نہ ہوتا تو ان میں ہر صحابی دوسرے صحابی کو کہتے کہ میرا قول بھی حق ہے اور تیرا قول بھی حق ہے، ہم دونوں ہدایت کے ستارے ہیں اور اختلاف کی وجہ سے ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ ہم اس بات کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں پیش کرتے ہیں مگر طوالت سے بچنے کے لیے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:

1: حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے مرتدین عرب کے بارے میں تمام صحابہ کا قول رد کر دیا تھا اور فرمایا تھا اگر عرب وہ سب ادا نہیں کرتے جو رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں ان

پر جہاد کروں گا۔ (بخاری ۱۲۲، مسلم ۲۳۸۰)

2: حضرت عمر فاروق ؓ نے صحابہ کرام سے اختلاف کرتے ہوئے تکبیرات جنازہ پر صرف چار تکبیر پر مجبور کیا۔ (بخاری رقم: ۷۲۸۴ـ۷۲۸۵، مسلم ۲۰)

3: اسی طرح حضرت عائشہ ؓ نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ عورت کے سامنے آجانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو تردید کی اور فرمایا: میں درمیان میں لیٹی ہوتی تھی اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

4: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے تھے تو حضرت عائشہ نے مخالفت کی اور فرمایا: عبداللہ بن عمر ؒ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام عمروں میں تھے مگر بھول گئے ہیں۔ حضور نے چار نہیں بلکہ تین عمرے کیے تھے۔

(صحیح بخاری، ۴۲۵)

5: حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے مرتدوں کو قتل کے بعد جلوا دِیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے اس عمل پر انکار کیا۔

(مسند ابی یعلیٰ، ۲۵۳۲، ابن حبان ۵۶۰۶، بخاری، ۶۹۲۲، مسند احمد ۱/ ۲۸۲)

6: اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی ؓ عرب عیسائیوں کا ذبیحہ کھانے سے منع کرتے اور فرماتے ہیں: ''انہوں نے نصرانیت میں سے اگر کچھ لیا ہے تو شراب خوری ہے۔'' اس پر حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

7: اسی طرح ایک مسئلہ میں حضرت فاروق اعظم ؓ نے اپنی رائے چھوڑ کر حضرت معاذ بن جبل ؓ کی رائے کی طرف رجوع کیا اور فرمایا: اگر معاذ ؓ نہ ہوتے تو عمر ؓ ہلاک ہوتے۔ (سنن الدار قطنی رقم: ۲۸۱، مصنف، ابن ابی شیبہ: ۲۹۴۰۸)

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام نے بھی حق کی دلیل کو مانا اور یہ نہ کہا کہ میں بھی ہدایت پر ہوں اور تو بھی ہدایت پر ہے۔ لہٰذا یہ موقف اختیار کرنا محل نظر ہے کہ صحابہ کرام کی جس حدیث کو بھی لینا چاہو تو صحیح ہو گا۔

علمائے کرام کے متضاد اقوال پر عمل کی تحقیق

یہ بات بڑی ہی عجیب ہے کہ مسئلہ افضلیت میں فلاں کا قول فلاں سے مختلف یا متعارض یا متضاد ہے تو پھر اس کے قائل پر کیا حکم لگاؤ گے؟ کیا مسئلہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ان علمائے کرام کو اہل سنّت سے خارج کر دو گے؟ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ فتویٰ دینا تو مفتی کا کام ہے ہر عالم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ فتویٰ لگائے۔ کیوں کہ مفتی بننے کی شرائط پر تو آج کے دور میں شاید ہی کوئی آپ کو مفتی نظر آئے سوائے چند شخصیات کے۔ لہٰذا مسئلہ افضلیت پر مابین فریقین جو ناصبیت، خارجیت اور رافضیت کی فتویٰ بازی ہو رہی ہے وہ قواعد وضوابط اور مسلمہ اصول کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا اس قسم کی فتویٰ بازی سے گریز کرنا چاہیے۔ مزید یہ عرض ہے کہ فتویٰ ایسے شخص پر لاگو ہوتا ہے جس کی نظر میں تمام دلائل اور ثبوت ہو اور پھر وہ اس کا انکار کرے۔ اگر کسی کے مطالعہ میں دلائل ہی نہ ہو تو اس پر فتویٰ لگانا بڑی جرأت کا کام ہے کیوں کہ وہ اس مسئلہ پر ماجور سمجھا جائے گا۔

اب مسئلہ افضلیت میں جس عالم کے مطالعہ میں جس قسم کے دلائل تھے انہوں نے مسئلہ افضلیت پر اسی قسم کا موقف اختیار کیا، یہ بات سمجھنے کی ہے کہ علمائے کرام اور مجتہدین کے بھی مراتب ہیں۔ لہٰذا ان مراتب کا خیال رکھتے ہوئے ان کے اقوال کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ بعض عالم کسی ایک فن کا ماہر ہوتا ہے تو دوسرا کسی دوسرے فن کا ایک عالم علم تفسیر کا ماہر ہوگا تو دوسرا علم حدیث کا، ایک عالم منطق کا ماہر ہوگا تو دوسرا فلسفہ کا، اور ان تمام عالموں سے مجتہد کے شان اور فضیلت سب سے بڑھ کر ہے اور مجتہد کے بھی کئی مراتب ہے۔

اقوال متضاد اور امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ:

امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد رشید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دو علما کے متضاد اقوال کے بارے میں قول ملاحظہ کریں:

لم تصنع هذا الرأى العالمين المختلفين ؟ فتثبت متهما ما أشية الدليل وتبظل ما أبطله الدليل" (جامع بيان العلم ٢/١١٥)

ترجمہ: تو اختلاف رکھنے والے دونوں عالموں کے اقوال سے بھی یہی برتاؤ کیوں

نہیں کرتے؟ جو قول دلیل سے صحیح ثابت ہو جائے اسے لے لو اور جو باطل ٹھہرے اسے چھوڑ دو!"

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر حافظ ابن عبدالبر کچھ اس انداز میں فیصلہ وارد کرتے ہیں:

"ما ألزمه المزني عندي لازم" (جامع بيان العلم ٢/١١٥)

یعنی امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بالکل درست ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ علمائے کرام کے متعارض اقوال میں سے ایک قول کو قرآن وسنّت اور آثار کی روشنی میں لینا ضروری ہے۔

نتیجہ: قارئین کرام! اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ اگر کسی مسئلہ میں نصوص یا متعارض اقوال ہوں تو دلائل کی روشنی میں ایک ہی کو ترجیح ہوتی ہے اور یہ کہ حدیث اصحابی کالنجوم ہی ضعیف ہے۔ لہٰذا محترم قبلہ شاہ صاحب کا اپنی کتاب زبدۃ التحقیق میں اقوال متعارضہ درباب افضلیت میں نقل کر کے یہ ارشاد فرمانا کہ ان اقوال میں سے کسی ایک کا قول لینے سے دائرہ اہل سنّت سے خارج نہیں ہوتا محل نظر ہے۔ اور اس مضمون میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اگر اقوال متعارضہ ہو تو ان پر عمل کرنے کے کون کون سے قواعد وضوابط ہیں؟ مزید یہ کہ اقوال متعارضہ میں اقوال کا ہم پلہ اور محل ایک ہونا ضروری ہے جب کہ محترم شاہ صاحب کے دلائل نہ تو سنداً معتبر ہیں اور نہ ہی یہ اقوال افضلیت ابوبکر صدیق کے متعارض ہیں۔ ان متعارض اقوال کی تحقیق آگے ملاحظہ کریں!

محترم قبلہ شاہ صاحب کی پوری کتاب زبدۃ التحقیق انہی اقوال متعارضہ سے بھری پڑی ہے لہٰذا انہوں نے اس مسئلہ کو ظنی لکھا اور کسی ایک کے قول کو ماننے والے کو اہل سنّت میں شمار کیا۔ مگر جب شاہ صاحب کا اقوال متعارضہ میں سے کسی ایک قول ماننے والا موقف ہی صحیح نہیں تو پھر ان اقوال متعارضہ کو پیش کرنے کا کچھ فائدہ ہی نہیں اور اہم بات تو یہ کہ محترم قبلہ شاہ صاحب خود افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں۔ اس تحریر کے بعد ہمارے ایک مہربان نے کہا کہ مفتی اختر رضا خان صاحب نے اصحابی کالنجوم کو ثابت کرنے کے لیے ایک رسالہ لکھا ہے، مگر

جب میں نے ان کا رسالہ "الصحابۃ نجوم الاھتداء" کا مطالعہ کیا تو انھوں نے اس حدیث کو صرف موضوع ہونے کا رد لکھا ہے۔ مگر اس حدیث سے وہ نتیجہ کسی نے بھی اخذ نہیں کیا جو کہ قبلہ شاہ صاحب نے اخذ کیا ہے۔ اگر بالفرض اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ فضائل میں ضعیف روایت مانی جاتی ہیں مگر اس سے جو قبلہ شاہ صاحب اخذ کرنا چاہتے ہیں وہ جمہور محدثین کی رائے میں صحیح نہیں ہے۔ خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد مقامات پر دو مختلف روایات میں ایک روایت کو ترجیح دینے کے واضح ثبوت موجود ہیں۔

ہمارے چند مخلص دوستوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مختلف علمائے کرام نے "اصحابی کالنجوم" اس کی تصحیح پر کام کیا ہے۔ میری اپنے اِن مخلص احباب سے ادباً عرض ہے کہ اگر اصول و ضوابط کی روشنی میں یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ہم ان شاء اللہ ضرور اپنے موقف پر نظر ثانی کریں گے۔ مگر یہ بھی عرض ہے کہ اگر بر سبیل تنزل "اصحابی کالنجوم" کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس حدیث کا وہ مفہوم نہیں بنتا جو قبلہ شاہ صاحب نے اخذ کیا ہے۔ میری گذارش یہ ہے کہ "اصحابی کالنجوم" کے ضعیف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس حدیث کے ضعف کی آڑ میں کوئی صحابہ کرام پر اعتراض کرنے کی کوشش کرے کیوں کہ کتب احادیث میں دلائل کے انبار ہیں جن سے صحابہ کرام کی عظمت و رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا میرے گذشتہ مضمون کو اصول و قواعد کی روشنی میں اگر ٹھنڈے دماغ سے مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ بات واضح ہو جائے گی۔

اھم نکتہ: قبلہ شاہ صاحب مسئلہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر جمہور علمائے کرام کا متفق ہونا تسلیم کرتے ہیں یعنی کہ جمہور علمائے کرام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔

اور خود قبلہ شاہ صاحب نے اپنی ایک تقریر میں جمہور کی مخالفت کرنے والے کو فاسق کہا ہے۔ اس تقریر کو آپ مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر ملاحظہ بھی کر سکتے ہیں:

http://www.youtube.com/watch?v=yVMNWiajcKU&feature=related

زبدۃ التحقیق کی مستدل احادیث و روایات کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

مسئلہ افضلیت پر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مختلف روایات و احادیث کو متعارض بنانے کے لیے دلائل کا قوت میں برابر ہونا یا ہم پلہ ہونا ضروری ہے کیوں کہ اگر ایک حدیث صحیح اور دوسری

حدیث ضعیف ہے تو یہ ہم پلہ نہیں ہو سکتے اور مزید یہ کہ اگر دلائل کی نوعیت یا جہت بھی اگر مختلف ہو تو پھر بھی اقوال مختلفہ کا تعارض ہونا غلط ہے۔ محترم جناب سیّد پیر عبد القادر شاہ صاحب نے اپنی کتاب زبدۃ التحقیق مسئلہ افضلیت پر مختلف اقوال پیش کیے ہیں۔ لہٰذا اب تحقیق یہ ہے کہ یہ روایات اصول اسماء الرجال کے میزان پر کھری اُترتی ہیں یا ان کا ضعیف ہونا عیاں ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی "اول من اشفع له یوم القیامة" کا جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر وارد نص:

ابو بکر سیّدنا و خیرنا احبنا الی رسول الله ﷺ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں ہم سب میں اچھے ہیں اور سب سے زیادہ سرکار دو عالم ﷺ کو پیارے ہیں۔

کو متعارض کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

"اول من اشفع له یوم القیامة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من آمن بی و اتبعنی من الیمنی ثم سائر العرب الاعاجم و من اشفع له۔

ترجمہ: جس کی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کروں گا میری امت میں سے وہ میری اہل بیت ہے۔ پھر اس کے بعد قریش میں سے جو میرے زیادہ قریبی ہوں گے پھر ان کے بعد جو زیادہ قریبی ہوں گے اس کے بعد انصار کی شفاعت کروں گا، پھر اس کے بعد جو میرے اوپر ایمان لایا اور میری پیروی کی، اہل یمن سے اس کی شفاعت کروں گا پھر سارے عرب کی کروں گا پھر عجمیوں کی کروں گا اور جس کی سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہو گا۔

(زبدۃ التحقیق ص ۱۱۰، بحوالہ: طبرانی الکبیر حدیث ۱۳۵۵۰۔ الاستجلاب للسخاوی ص ۱۱۵، مسند الفردوس ۱/ ۲۳، کنز العمال ۲/ ۹۴ رقم: ۱۴۵)

جواب ۱: یہ حدیث مبارک راقم کی تحقیق کے مطابق المعجم الکبیر (جلد ۱۲ ص ۲۵۵ رقم ۱۳۵۵۰) پر

موجود ہے اور اس حدیث مبارک کے آخری الفاظ ''اولا افضل'' نہیں ہیں بلکہ ''اولو الفضل'' ہیں اور محترم شاہ صاحب کو بھی خود یہ امر مسلمہ ہے کہ ان الفاظ سے افضلیت کا اثبات ہرگز نہیں ہوسکتا جیسا کہ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

''ان کے (صدیق اکبر) کے اولو الفضل ہونے میں کیا شک ہے مگر اس سے فضیلت ثابت ہوتی ہے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔'' (زبدۃ ص ۳۹۸)

لہٰذا احادیث افضلیت کے معارض حدیث فضیلت کو قرار دینا ہرگز صحیح نہیں۔

۲: بالفرض اس حدیث مبارک کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے تمام اہل بیت کا خلفائے ثلاثہ پر افضل ہونا لازم آئے گا جو کہ فریق مخالف کو بھی بہ ہر حال کسی صورت میں تسلیم نہ ہوگا۔

۳: یہ حدیث مبارک اگر روایۃً و درایۃً صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو مسئلہ افضلیت میں یہ دلیل سراسر غیر مسموع اور غیر مفید ہے کیوں کہ محترم قبلہ شاہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ

''مگر افضلیت تو باب عقائد کی چیز ہے جس میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے۔''

(زبدۃ التحقیق ص ۴۰۰)

لہٰذا خبر واحد ہونے کی صورت میں مسئلہ افضلیت کے اثبات کے لیے ناکافی ہوگی۔

میرے علم کے مطابق اس حدیث میں محترم قبلہ شاہ صاحب نے ''اولا افضل'' نقل کیے ہیں مگر معجم الکبیر للطبرانی میں یہ الفاظ ''أولو الفضل'' ہیں لہٰذا قبلہ شاہ صاحب کا یہ لکھنا کہ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۳۲ پر یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ یہ الفاظ باقی کتابوں میں نقل کرتے وقت تبدیل ہوگئے ہیں۔ جب کہ اصح ترین الفاظ أولو الفضل ہی بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جب کہ یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے شاہ صاحب کے موقف پر پورا نہیں اُترتے۔

حدیث کی سند: اس حدیث کی سند معجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۳۵۵۰ پر کچھ یوں ہے:

حدثنا الحسین بن اسحاق التستری ثنا ابوبکر الربیع ثنا حفص بن ابی داؤد عن لیث بن ابی سلیم عن مجاهد عن ابن عمر : قال قال رسول الله ﷺ۔

اس سند میں دو راویوں پر سخت ترین جرح ہے:

(۱) حفص بن اَبی داؤد (۲) لیث بن ابی سلیم

حفص بن اُبی داؤد پر جمہور محدثین کرام کی جرح

مندرجہ ذیل محدثین کرام نے اس حدیث کے راوی حفص بن ابی داؤد پر جرح کی ہے:

1: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: منکر الحدیث۔ (تاریخ الاوسط ۲/۲۳۳)

2: ابن جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: منکر الحدیث۔ (الجرح والتعدیل رقم: ۵۷۴۱)

3: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (العلل ومعرفۃ الرجال ۲/۳۸۰ رقم: ۲۶۹۸)

4: یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ليس بثقة۔ (تاریخ الدارمی رقم: ۲۶۹)

5: ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف الحدیث۔ (الجرح والتعدیل رقم: ۷۴۴)

6: ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (الضعفاء لأبی الزرعۃ ۲/۵۰۲)

7: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (تقریب التہذیب رقم: [illegible]۱۱)

8: ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عامة أحاديث غير محفوظة۔ (الکامل ابن عدی رقم ۵۰۵)

9: ابن جوزی نے کہا: ضعیف۔ (الضعفاء والمترکین ۱/۲۲۱ رقم: ۹۳۳)

10: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (الضعفاء والمترکین للنسائی رقم: ۱۳۴)

11: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: واهی الحدیث۔ (الکاشف رقم: ۱۴۶)

12: امام الدولابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک۔ (الکنٰی والاسماء ۲/۷۶۸)

13: حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: كان يقلب الاسانيد ويرفع المراسيل۔

(المجروحین ۱/۲۵۵)

14: ابن العماد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متروک الحدیث۔ (شذرات الذہب ۱/۲۸۶)

15: امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعفاء میں لکھا ہے۔ (الضعفاء والمترکین رقم: ۱۷۰)

لیث بن اَبی سلیم پر محدثین کرام کی جرح

مندرجہ ذیل محدثین کرام نے لیث بن اَبی سلیم کو ضعیف کہا ہے:

1: یحییٰ بن معین نے کہا: ليس بذلك القوی ضعيف۔

(سوالات الجنید رقم: ۵۵۳، سوالات الدارمی: ۵۶۰)

2: امام احمد بن حنبل نے کہا: لیس ھو بذلك مضطرب الحدیث۔
(علل احمد روایۃ المروزی رقم: ۱۳۷، العلل رقم ۳۷۷)

3: ابوزرعہ الرازی نے کہا: لین الحدیث لا تقوم به الحجة عند اهل العلم بحدیثه۔ (الضعفاء لأبی زرعہ رقم: ۱۹۱)

4: امام دارقطنی نے کہا: ضعیف۔ (سنن الدارقطنی ۱/۳۳۱، ۳/۲۶۹)

5: جوزجانی نے کہا: یضعف حدیثه لیس بثبت۔ (احوال الرجال رقم: ۱۳۲)

6: ابن جوزی نے اسے ضعفا میں لکھا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۲۸۱۵)

7: امام نسائی نے کہا: ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۵۱۱)

8: علامہ ذہبی نے کہا: فیه ضعیف یسیر من سوء حفظه۔ (الکاشف رقم: ۴۶۹۲)

9: ابن حبان نے کہا:

فکان یقلب الاسانید و یرفع المراسیل۔ و لکن اختلط فی آخر عمره حتی کان لا یدری ما یحدث به۔ (المجروحین ۲/۲۳۱)

10: ابن ابی حاتم نے کہا: یحدث فیه مضطرب۔ (علل الحدیث ابن ابی حاتم ۱/۵۶)

اس جرح کے علاوہ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ الثقات رقم: ۱۵۶۷ پر اسے جائز الحدیث اور لا باس به لکھا ہے۔ اور امام شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عثمان بن شیبہ کے حوالے سے ثقة صدوق و لیس بحجة لکھا ہے۔ (تاریخ اسماء الثقات رقم: ۱۱۸۹)

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اس روایت کے دو راوی حفص بن ابی داؤد اور لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہیں۔

اوّل من اشفع یوم القیامة پر محدثین کرام کی تحقیق انیق

اس حدیث پر مندرجہ ذیل محدثین کرام نے وضع یا ضعف کا حکم لگایا ہے:

1: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (الجامع الصغیر رقم: ۲۸۳۰)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا کہ لیث ضعیف و حفص کذاب و ھو متھم به۔ (اللآلی المصنوعة ۲/۳۷۴)

2: امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں وضع کا حکم لگایا ہے۔
(الموضوعات ۳/۲۵۰)

3: حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث پر وضع اور ضعف کا حکم برقرار رکھا ہے۔
(تلخیص کتاب الموضوعات رقم: ۹۵۶)

4: ابن العراق الکنانی لکھتے ہیں: و فیه حفص بن أبی داود تفرد به و اتهم به۔
(تنزیہ الشریعة ۲/۹۶۳)

5: حافظ محمد بن طاہر المقدسی نے بھی اس حدیث کے راوی حفص کو متروک الحدیث لکھا ہے۔
(ذخیرۃ الحفاظ رقم: ۲۱۶۴)

6: حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رواه الطبرانی و فیه من لم أعرفهم۔
(مجمع الزوائد رقم: ۱۸۵۳۸)

7: خطیب بغدادی نے کہا: قال ابو الحسن غریب من حدیث لیث عن مجاهد۔
(موضح أوهام الجمع والتفریق ۲/۱۱۴)

8: ابن عدی نے بھی اپنی کتاب الکامل ۲/۳۸۲ پر اس کو ضعیف احادیث میں درج کیا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ ایسی حدیث کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر وارد صحیح حدیث کے مد مقابل پیش کرنا اُصول و ضوابط کے خلاف ہے کیوں کہ تعارض تو اس وقت ہوتا ہے جب دو احادیث ہم پلہ ہو۔ لہٰذا محترم جناب شاہ صاحب کا اس حدیث سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس حدیث میں پہلے شفاعت کا ذکر ہے۔ یعنی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں تفضیل جزوی ہے جو کہ افضلیت کو مستلزم نہیں ہے۔

حدیث ''احب الیك منی و من ابی مرتین'' کا تحقیقی جائزہ

محترم قبلہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب زبدۃ التحقیق ص ۱۱۱ پر حضرت نعمان بن بشیر کی ایک روایت نقل کی جس کا ترجمہ ص ۱۱۲ پر لکھا ہے:

''نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

کواونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا جب کہ آپ کہہ رہی تھیں: خدا کی قسم مجھے پتہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو مجھ سے اور میرے والد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے دوگناہ یا تین گنا پیارے لگتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی اجازت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: اے فلاں کی بیٹی (یعنی اپنا نام لیا) میں نے تجھے سرکارِ دو عالم ﷺ کی آواز پر آواز اونچی کرتے ہوئے پایا۔" (بہ حوالہ سیّدۃ نساء اہل الجنۃ ص ۱۶ للمناوی)

(جواب) 1: اس حدیث میں "احب" کے لفظ ہیں جو کہ کسی طرح بھی افضلیت پر انطباق نہیں ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ مطلق "لفظ" "احب" سے افضلیت یہاں مراد صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اصول الحدیث میں یہ بات موجود ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح کرتی ہے۔ اس حدیث سے افضلیت کسی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ اس حدیث میں تخصیص خود نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے:

أخبرنی أسامة بن زيد قال سألت رسول الله ﷺ أی أهل بيتك أحب اليك؟ قال: أحب أهلی الی فاطمة۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم: ۱۰۰۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ أحب مطلقاً نہیں بلکہ اہل بیت میں سے محبوب شخصیت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں لہٰذا جس حدیث سے عموم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اس میں ہرگز عموم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

2: اس طرح کے الفاظ تو نبی کریم ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی ثابت کیے ہیں۔

عمرو بن العاص قال: قال قلت یا رسول الله أی الناس أحب اليك؟ قال (ولم) قلت: لأحب من تحب قال (عائشة)۔
(المعجم الکبیر للطبرانی رقم: ۱۱۱۶)

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ الفاظ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

3: أحب کے الفاظ ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی استعمال ہوتے ہیں:

أن عمرو بن العاص قال: یا رسول الله أی الناس أحب اليك

قال: (عائشة) قال: من الرجال؟ قال ابوبكر۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم: ۱۱۴)

لہٰذا معلوم ہوا کہ "احب" کی تخصیص صرف حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لیے ہی نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا أحب کے الفاظ کو افضلیت پر لاگو کرنا صحیح نہیں ہے۔

4: مزید یہ کہ امام ابوداؤد نے یہ حدیث اپنی سنن رقم ۵۰۰۱ پر بغیر الفاظ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روایت کی ہے۔

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی احبیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اسی لیے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں:

"یہ ساری روایتیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں (حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق) ہمارے موضوع کے خلاف نہیں جاتیں اور نہ ہی ہمارے مدعا کے مخالف ہیں۔ کیوں کہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ خاص قسم کی افضلیت وہ عام حالات میں کسی کی افضلیت کے منافی نہیں ہوتی۔ فضائل ذات اور چیز ہے اور کثرت ثواب اور نفع اسلام سے افضلیت حاصل کرنے کا اور مقام ہے۔ شرف النسب کے اعتبار سے سیّد کونین کی اولاد پاک آپ کے گوشہ جگر ہیں وہ جگر پارے ہیں۔ ان میں جو شان پائی جاتی ہے شیخین میں نہیں اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا لیکن اس شرف النسب کے باوجود شیخین کا ثواب بہت زیادہ ہے۔" (تکمیل الایمان ص ۱۶۳)

5: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اور بعض فضیلت ایسی ہوتی ہے کہ وہ تبعاً ہوتی ہے، ذاتی نہیں ہوتی ہے جیسے فضیلت حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ کی باقی سب اطفال پر ہے اور فضیلت آں حضرت ﷺ کی صاحب زادیوں اور ازواج مطہرات کی باقی سب عورتوں پر ہے اور فضیلت بنی ہاشم کی باقی سب قبائل پر ہے۔ اس قسم کی تفصیل میں کوئی نزاع نہیں ہے۔" (السر الجلیل ص ۱۲)

6: مزید یہ بھی اہم ہے کہ دو چیزوں میں کون چیز افضل ہے اس کے لیے بھی دونوں چیزوں کی

جہت کا ایک ہونا ضروری ہے، دو مختلف جہتوں پر محمول چیزوں میں تقابل ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ کلام بھی بے محل ہے اگر کوئی یہ تقابل کرے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو یہ کلام بھی فضول ہوگا کیوں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی فضیلت عمل کی بنا پر نہیں بلکہ ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے ہے۔

''ما طلعت الشمس علی خیر من عمر'' کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۱۱۹ پر مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

ما طلعت الشمس علی خیر من عمر۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا۔

(جواب) یہ حدیث بھی متعارض ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیوں کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ اس حدیث کو مندرجہ ذیل محدثین کرام نے ضعیف لکھا ہے:

1: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

هذا حديث غريب لا نعرفه الا من هذا الوجه و ليس اسناده بذلك۔ (سنن ترمذی رقم: ۳۶۸۴)

2: امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

و هذا لا نعلمه يروى عن النبى من وجه من الوجوه الا عن أبي بكر بهذا الاسناد و ابن اخى محمد بن المنكدر ليس بالمعروف۔

(البحر الزخار رقم: ۹۴)

3: حافظ عقیلی نے اس کے بارے میں کہا: و لا يتابع عليه و لا يعرف الا به۔

(الضعفاء للعقیلی ۵/۸۴)

4: امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ما اعرف عبد الرحمن ابن اخى محمد بن المنكدر و إنكر الحديث ولم يعرفه۔ (سوالات ابن الجنید رقم: ۱۸۵)

5: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لا يكاد يعرف و لا يتابع على حديثه۔

(لسان المیزان رقم: ۱۷۴۳)

6: امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: هو كذاب۔ (تلخیص المستدرک ۴/۹۱ و جامع الاحادیث ۱۹/۷۴)

الحديث شبه موضوع۔ (التلخيص المستدرك ۳/۹۶)

7: ابن جوزی نے کہا: هو كذاب، هذا الحديث لا يصح۔ (الواہیات ۱/۱۹۰)

لہٰذا مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوا کہ یہ حدیث ضعیف اور قابل استدلال نہیں ہے۔ مگر دوران مطالعہ اس روایت کی ایک دوسری سند تاریخ دمشق ابن عساکر میں ملی، مگر تاریخ دمشق ابن عساکر ۴۴/۱۹۴ پر اس کی سند موجود ہے اس میں ایک راوی جعفر بن محمد الخفاف کے حالات نامعلوم ہیں اور یہ کہ جعفر بن محمد الخفاف سے اوپر راوی جابر ہے اس راوی کا تعین نہیں ہے اگر تو اس جابر سے مراد جابر بن عبداللہ الانصاری ہیں تو جعفر بن محمد الخفاف کی سماعت حضرت جابر بن عبداللہ سے مشکوک ہے۔ میرے علم کے مطابق اس میں جعفر بن محمد الخفاف اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان کم از کم 2 سے 3 راوی ساقط ہیں۔ اور اگر جابر سے مراد جابر جعفی ہے تو اس پر سخت جرح موجود ہے اور اگر کوئی اور ہے تو اس کا تعین اور اسکی سماعت بہت ضروری ہے، لہٰذا اس سند سے بھی استدلال مخدوش ہے۔

مزید یہ کہ اگر بہ طور تنزل اس حدیث کی صحت تسلیم کر لی جائے تو یہ حدیث اپنی عموم پر نہیں ہے کیوں کہ محدثین کرام نے اس کو عموم پر تسلیم نہیں کیا۔

1: محب طبری لکھتے ہیں:

و هذا محمول على أنه كذلك بعد أبي بكر جمعاً بين هذا و بين الاحاديث المتقدمة فى ابى بكر۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ۱/۱۳۸)

2: ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و هذا الحديث ليس على ظاهره، فانه يوجب أن يكون أفضل من أبي بكر و من الانبياء فان قال قائل: هذا يدل على أنه افضل من أبي بكر و المراد ما طلعت على أحد من هذا الامة فخرج الانبياء قيل: هذا الحديث يحمل على غير أبي بكر و غير الانبياء جمعاً بينه و بين سائر الاحاديث الواردة فان جميع و يحتمل ان

یکون ذلك الخطاب من النبی ﷺ ورد فی حق جماعة رأی معهم عمر عند طلوع الشمس فقال: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر و ابوبکر الصدیق لم یکن فیهم و الله أعلم۔

(محض الصواب ۳/۷۸۶)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن داؤد الواسطی ہے۔ اس کو مندرجہ ذیل محدثین کرام نے ضعیف لکھا ہے:

1: حافظ ابن حجر نے کہا: ضعیف۔ (تقریب التہذیب رقم: ۳۰۵۱)

2: حافظ ابوزرعہ نے کہا: ضعیف الحدیث۔ (ضعفاء ابی الزرعۃ ۲/۳۹۸)

3: امام بخاری نے کہا: فیہ نظر۔ (تاریخ الکبیر رقم: ۲۲۶)

4: امام ابوحاتم نے کہا: لیس بالقوی۔ (الجرح والتعدیل رقم: ۲۲۲)

5: ابن جوزی نے کہا: ضعیف۔ (ضعفاء رقم: ۲۰۱۷)

6: امام نسائی نے کہا: ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکین ۱/۲۰۲)

7: ابن حبان نے کہا: منکر الحدیث جدًّا یروی المناکیر عن المشاهیر۔

(المجروحین ص ۱۱۵ ج ۳)

8: علامہ ذہبی ؒ نے کہا: ضعفوہ۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۳۱۵۵)

اس سند کے دوسرے راوی عبدالرحمن بن أبی أخی المنکدر مجہول راوی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کی سند اور متن دونوں غیر محفوظ ہیں۔ جب کہ اس کا متن عندالمحدثین کرام عموم پر نہیں ہے۔ لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

3: بالفرض محال اس حدیث مبارک کی صحت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ایسی تمام احادیث مؤوّل ہوں گی جن سے اجماع اہل سنّت و جماعت کے ساتھ تعارض لازم آئے کیوں کہ

"لئن سلمنا التخصیص به (ای بالفارق رضی الله تعالیٰ عنه) فهو معارض بالاحادیث الکثیرة البالغة درجة التواتر المعنوی الدالة علی افضلیة الصدیق ؓ فلا تعارفها الاحاد و لئن سلمنا التساوی بین الدلیلین لکن اجماع اهل السنة و

الجماعة علی افضلیة و هو قطعی فلا یعارضه ظنی۔"

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال جلد ۱ ص ۱۰۶ مطبوعہ دار الکتاب العربیة، بیروت)

ترجمہ: اگر ہم یہ تخصیص ان (حضرت عمر ؓ) کے ساتھ تسلیم کر لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے خلاف ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق ؓ پر دال ہیں اور ان کا احاد کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان برابری تسلیم کر بھی لیں لیکن اجماع اہل سنّت و جماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے۔

کنا نتحدث ان افضل اهل المدینة علی بن ابی طالب کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کو تعارض میں لانے کے لیے اپنی کتاب زبدۃ التحقیق ص ۱۸۹ و ص ۱۹۰ پر ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

"و قد عورض حدیث ابن عمر هذا الحدیث عبد الله بن مسعود رواه شعبة عن ابن اسحاق عن عبد الرحمن بن یزید عن علقمة عن عبد الله قال کنا نتحدث ان افضل اهل المدینة علی بن ابی طالب" (بہ حوالہ کتاب الاستذکار ۱۶/۲۴۲ ابن عبدالبر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ والی اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ والی حدیث کا تعارض لازم آ گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ اہل مدینہ سے افضل ہیں۔

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ قبلہ شاہ صاحب نے یہ عبارت اور حدیث ابن عبدالبر کی کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۲ سے نقل کی مگر ابن عبدالبر کا اسی حدیث پر مزید کلمات نقل نہیں کیے۔ ابن عبدالبر ؒ خود اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"و هذا عندی حدیث فیه تصعیف ممن رواه عن شعبة هكذا، و انما المحفوظ فیه ابن مسعود ؓ أنه قال کنا نتحدث أن أقضی

اهل المدينة علی بن أبی طالب هكذا من القضاء لا من الفضل"
(الاستذکار رقم: ۲۰۲۰۳)

معلوم ہوا کہ ابن عبدالبر خود اس حدیث میں ان افضل کو غلطی تسلیم کرتے ہیں جب کہ انہوں نے اس حدیث کا محفوظ ہونا لکھا ہے۔ جس میں "أن اقضی" کے الفاظ موجود ہیں۔ اور خود یہ تصریح کی یہ حدیث قضا کے بارے میں ہے نہ کہ فضل کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس حدیث میں محفوظ الفاظ أقضی کے ہی ہیں۔ لہٰذا أقضی سے تو قبلہ شاہ صاحب کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔

2: امام بوصیری نے بھی اتحاف الخيرة المهرة رقم: ۶۶۴۳ میں اس حدیث کو نتحدث أن أقضی کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

3: خود حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ۳۳۹/۱ پر اس حدیث کو "کنا نتحدث أن أقضی" کے الفاظ لکھے ہیں۔

4: محب الطبری نے اس حدیث کو الریاض النضرة ۲۶۸/۱ پر اس کو کنا نتحدث أن أقضی کے الفاظ کے ساتھ لکھا ہے۔

5: ابن عساکر نے اس حدیث کو تاریخ دمشق ۴۲/۶۰۶ پر اس حدیث کو کنا نتحدث أن أقضی کے ساتھ لکھا ہے۔

6: امام حاکم نے مستدرک الحاکم رقم: ۴۶۵۶ پر اس حدیث کو کنا نتحدث أن أقضی لکھا ہے۔

7: ابن سعد نے طبقات ص ۳۳۸ ج ۲ میں کنا نتحدث ان من اقضی لکھا ہے۔

8: امام بغوی نے معجم الصحابہ رقم: ۳۲ میں کنا نتحدث أن أقضی کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

لہٰذا اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ "أن أفضل" غیر محفوظ ہیں جب کہ صحیح الفاظ "أن اقضی" کے ہیں۔ یعنی اس حدیث میں افضل کے الفاظ غیر محفوظ اور اقضی یعنی قاضی کے الفاظ محفوظ ہیں۔ لہٰذا اس روایت سے استدلال مناسب نہیں ہے۔

نوٹ: جناب قبلہ عظمت شاہ صاحب گیلانی صاحب سے ایک دن ملاقات میں جناب قبلہ عظمت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث کو متعدد محققین نے اس حدیث کی تصحیح کی بلکہ حافظ ابن حجر

ؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کی تصحیح بھی کی ہے۔ اور امام احمد بن حنبل ؒ کی کتاب فضائل صحابہ کی طرف توجہ مبذول کرائی، جس کے لیے میں قبلہ عظمت شاہ صاحب کا شکرگزار ہوں۔ مگر عرض یہ ہے کہ میں نے اس کی سند پر نہیں بلکہ اس کے متن پر کلام کیا تھا کہ اس میں لفظ افضل راوی کی خطا ہے۔ اور اس کے متعدد دیگر روایات سے شواہد بھی پیش کیے تھے۔

مزید عرض یہ ہے کہ فضائل صحابہ کی وہ روایات جو امام احمد بن حنبل نے روایت کیں اس کا تحقیقی معیار اور ہے جب کہ امام احمد بن حنبل کے صاحب زادے کی روایت کا معیار اور ہے۔

فضائل صحابہ رقم: ۱۰۹۷ و ۱۰۳۳ میں کنا نتحدث ان افضل اهل المدينة علی بن ابی طالب کی سند کچھ یوں ہے:

"حدثنا عبد الله قال حدثنی جدی قثنا ابو قطن (و محمد بن جعفر) قثنا شعبه عن ابی اسحاق عن عبد الله بن يزيد عن علقمه عن عبد الله هو ابن مسعود قال: کنا نتحدث ان افضل اهل المدينة علی بن ابی طالب۔"

بالکل اسی سند کے ساتھ امام بغوی نے معجم الصحابہ رقم: ۳۲ پر اس کا متن کچھ یوں نقل کیا ہے:

"کنا نتحدث أن أقضی اهل المدينة علی بن أبی طالب۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس متن میں ضرور تسامح ہوا ہے اور اگر تسامح نہیں بھی مانا جائے تو ان دونوں روایت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے افضل کہا ہے تو قضا میں افضل کہا ہے۔ جب کہ نفس مسئلہ مطلق افضل ہونے میں ہے نہ کہ جزوی فضیلت ملنے میں۔

مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی کنا نتحدث ان افضل اهل المدينة علی بن ابی طالب کی روایت میں شعبہ سے ان افضل روایت کرنے میں شاگرد سے تسامح بھی ہوا ہے جس کا اقرار خود حافظ ابن عبدالبر ؒ کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۲ پر کیا ہے۔ ابن عبدالبر خود اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"و هذا عندی حديث فيه تصعيف ممن رواه عن شعبة هكذا، و انما المحفوظ فيه ابن مسعود ؓ أنه قال کنا نتحدث أن أقضی

اهل المدينة على بن أبي طالب هكذا من القضاء لا من الفضل۔" (الاستذکار رقم: ۲۰۲۰۳)

مزید یہ کہ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۳۴۰ ج ا پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دو سے شاگرد ابی میسرہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے "أن أقضى اهل المدينة على بن أبي طالب۔"

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں اقضی کے الفاظ صحیح ہیں اور دونوں روایت کی مطابقت یوں ہے کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ قضا میں افضل ہیں۔

اگر بہ طور تنزل اس حدیث کے متن کو مان بھی لیں پھر بھی محدثین کرام نے اسے اپنے عموم پر نہیں رکھا۔

7: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتح الباری ۱۵۸/۷ پر لکھتے ہیں:

"و هو محمول على أن ذلك قاله ابن مسعود بعد قتل عمر"

8: علامہ محب الطبری لکھتے ہیں:

و هو محمول عند من يقول بالترتيب المتقدم على أنه كذلك بعدهم۔ (الریاض النضرۃ ۱/۲۷۴)

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس حدیث میں الفاظ أن افضل غیر محفوظ ہیں جس کی وجہ سے یہ حدیث قبلہ شاہ صاحب کی مستدل حدیث نہیں بن سکتی ہے۔

نیز بالفرض یہ حدیث مبارکہ صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو اس سے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت کا اثبات تو ممکن ہے لیکن اسے اجماع اہل السنت والجماعت کے معارض پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت پر ایک حدیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

"وليس في هذا كله ما يقدح في اجماع اهل السنة من الصحابة و التابعين فمن بعدهم على أن افضل الصحابة بعد النبي على الاطلاق ابوبكر ثم عمر رضي الله عنهما" (المقاصد الحسنۃ للسخاوی ص ۱۷۱)

نیز امام اسماعیل بن محمد الجراحی العجلونی نے بھی امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو من وعن

نقل فرمایا ہے ملاحظہ ہو! کشف الخفاء ومزیل الالباس للجراحی جلد ا ص ۲۰۵ تحت الحدیث ۶۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے نظریہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تحقیق

قبلہ محترم شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۴۴ پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک سب سے افضل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں۔

"عن ابي هريرة : قال ما احتذى النعال و لا انتعل و لا ركب المطايا و لا ركب الكور بعد رسول الله ﷺ افضل من جعفر۔

(الترمذی ۱/۲۴۰)

ترجمہ: کسی نے جوتا نہیں، نہ ہی کوئی اونٹنیوں پر سوار ہوا اور نہ ہی کوئی اونٹ کے کجاوے میں سوار ہوا رسول اللہ ﷺ کے بعد جو جعفر طیار سے افضل ہو۔

جواب 1: عرض یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عکرمہ ہے جو کہ قبلہ شاہ صاحب کے نزدیک ضعیف ہے۔ قبلہ شاہ صاحب نے نعرہ تحقیق کے موضوع پر مناظرے میں عکرمہ راوی پر سخت جرح کی ہے۔ مزید قبلہ شاہ صاحب کی متعدد تقاریر میں عکرمہ کی جرح پر کافی مواد موجود ہے۔ لہٰذا قبلہ شاہ صاحب کا استدلال ہی صحیح نہ رہا کیوں کہ انہیں خود اس راوی عکرمہ پر اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا نا قابل اعتماد راوی پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں۔

2: یہ پہلے بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک حدیث کا مفہوم دوسری حدیث سے سمجھ میں ہی آتا ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب مسند احمد رقم: ۹۳۵۳ میں کچھ یوں نقل کیا ہے: "افضل من جعفر بن ابي طالب يعني في الجود و الكرم"

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت جعفر بن طیار رضی اللہ عنہ صرف اور صرف جود و کرم میں ہی افضل ہیں نہ کہ مطلقاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور یہ کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

3: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کان جعفر خير الناس للمساكين۔" (الاصابۃ ۱/۴۸۶)

4: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ولا ینبغی أن یزعم زاعم أن مذهبه: أن جعفر أهل افضل من ابی بکر و عمر فان هذا الاطلاق لیس هو علی عمومه، بل یخرج منه الانبیاء و المرسلون، فالظاهر أن أبا هریرة لم یقصد أن یدخل أبابکر و عمر رضی الله عنهم. (سیر اعلام النبلاء ۲/۵۰۶/۱۴ رقم: ۲۸۳)

5: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"و کأنه انما یفضله فی الکرم، فاما فی الفضیلة الدینیة فمعلوم أن الصدیق و الفاروق بل و عثمان بن عفان أفضل منه و أما أخوه علی رضی الله عنهم، فالظاهر أنهما متكافئان أو علی أفضل منه، و انما أبو هریرة تفضیلة فی الکرام." (البدایة والنهایة ۴/۲۹۲)

قارئین کرام! اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوگیا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی فضیلت جود و کرم میں ہے لہٰذا یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے پر صحیح نہیں ہے۔ مزید یہ کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو عموم پر لاگو نہیں کیا بلکہ اسے فیاضی اور کرم کے ساتھ تخصیص کیا ہے۔ لہٰذا قبلہ شاہ صاحب کا اس قول کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے معارض پیش کرنا صحیح نہیں کیوں کہ ہم شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالہ جات سے یہ واضح کر آئے ہیں کہ افضلیت ثابت کرنے میں ایک جہت کا ہونا ضروری ہے۔

نیز خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ افضلیت شیخین کریمین کی افضلیت کے قائل ہیں جیسا کہ آپ کا ارشاد مبارکہ ہے کہ

"کنا معشر اصحاب رسول الله ﷺ و نحن متوافرون نقول افضل هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت۔"

ترجمہ: ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ کئی گروہ تھے ہم لوگ کثیر تعداد میں تھے ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم ﷺ ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں پھر ہم چپ کر جاتے تھے۔

(مسند الحارث، باب فیما اشترک فیہ ابوبکر وغیرہ من الفضل جلد ۲ ص ۸۸۸ رقم ۹۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۱۹۳ و ۱۹۴ پر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس طرح نقل کی ہے:

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: اصحاب محمد ﷺ سے محفوظ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قیامت کے میدان میں اللہ کی بارگاہ میں سب سے قریبی ذریعہ نجات ہیں۔ یعنی بارگاہ خداوندی میں قیامت کے دن (نجات کا) سب سے قریبی وسیلہ جانتے تھے۔ (بہ حوالہ الاستذکار ۱۶/۲۴۲)

شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۱۴۴ پر مزید لکھتے ہیں:

امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں: کان تلامذته لا یفضلون علیه احداً من الصحابة۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سارے شاگرد کسی بھی صحابی کو آپ سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ قبلہ محترم شاہ صاحب کا حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل ثابت کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس سے ابن عبدالبر کے علاوہ کسی نے بھی استدلال نہیں پکڑا۔ اور یہ روایت تو خود قبلہ شاہ صاحب کو بھی قبول نہ ہوگی کیوں کہ کسی نے بھی وسیلہ کی وجہ سے کسی بھی شخص کو افضل نہیں سمجھا۔ افضلیت کا دارومدار قریبی وسیلہ پر رکھنا صحیح نہیں ہے۔

2: مزید یہ کہ اس روایت سے فضل جزئی تو ثابت ہو سکتی ہے مگر فضل کلی ثابت نہیں ہوتی مسئلہ کا تنازعہ فضل جزئی میں ہے۔ جب کہ محترم شاہ صاحب اس کو فضل کلی کی دلیل بنا رہے ہیں۔

3: یہ بات علمائے کرام پر ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت ان کے فقیہ ہونے میں ہے۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد انہیں تمام صحابہ پر فضیلت دیتے تھے تو عرض یہ ہے کہ یہ بات بھی اپنے عموم پر نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سب سے بڑا فقیہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال کچھ یوں

یہ کہ امام اعظم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا دیدار بھی کیا اور ان کا قول کتاب العلل ترمذی میں موجود ہے کہ میں نے عطا بن أبی رباح سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔ تو جناب! حضرت عطا بن أبی رباح تو تابعی ہیں تو تابعی کا مرتبہ صحابی سے کیسے بڑھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد انہیں فقہ اور تفقہ میں سب سے افضل سمجھتے تھے، لہٰذا فضل جزئی کو فضل کلی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کے قائل ہیں۔ ملاحظہ کریں: شرح اصول الاعتقاد للالکائی ص ۲۲۸ ج ۲

شاہ صاحب کے اصول کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہرا سے بھی افضل ہوئے۔ یہ نتیجہ تو کسی کو بھی قبول نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کسی معتبر عالم نے ایسا عقیدہ رکھا ہے۔

نیز خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم علیہ السلام کے بعد افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل تھے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ

"اجعلوا امامکم خیرکم فان رسول اللہ ﷺ جعل امامنا خیرنا بعدہ۔" (الاستیعاب لابن عبدالبر، جلد ا ص ۲۹۷ ترجمہ ابوبکر صدیق)

"اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ کیوں کہ نبی کریم علیہ السلام نے جس کو اپنے بعد بہتر پایا ہمارا امام مقرر فرما دیا۔"

نیز اس حدیث موقوف سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نظریہ ظاہر ہے کہ وہ آقا کریم علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل اور بہتر جانتے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی تحقیق

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۵۲ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نظریہ پیش کیا ہے:

"قال فاما العباس فمات و علی عنده افضل الصحابة۔"

ترجمہ: رہی بات عباس رضی اللہ عنہ کی سو وہ وفات پا گئے جب کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک سب صحابہ سے افضل تھے۔ (بہ حوالہ تاریخ بغداد ۲/۲۹۲)

جواب 1: عرض یہ ہے کہ اس روایت میں قال کا صیغہ کسی کی طرف ہے یعنی کہ کہنے والا شخص کون ہے اگر یہ صیغہ/قول شریک بن عبداللہ کی طرف ہے تو شریک بن عبداللہ کا سماع حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت کریں۔ لہٰذا منقطع روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور ایسی روایات کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر متفقہ روایات کے مدمقابل کیسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

2: مزید یہ کہ تاریخ بغداد ۹/۲۹۲ پر اس قول کی سند کچھ اس طرح ہے:

"أخبرنا القاضی ابو الطیب طاهر بن عبد الله الطبری حدثنا المعانی بن زکریا حدثنا محمد بن القاسم الانباری حدثنی محمد بن المرزبان حدثنا ابوبکر العامری حدثنا مصعب بن عبد الله الزبیری حدثنی أبی تقدم الی شریك بن عبد الله۔"

3: اس سند کے ایک روای ابوبکر العامری کی توثیق تو نقل کریں۔

4: اس کی سند میں ایک راوی محمد بن المرزبان کا ترجمہ بھی پیش کریں تا کہ عوام الناس پر معاملہ واضح ہو سکے۔

لہٰذا ایسی منقطع اور ضعیف راویوں سے استدلال کر کے کے افضلیت ابوبکر صدیق کے معارضے اور تعارض پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک مدینہ منورہ میں رجب کی بارھویں تاریخ کو جمعہ کے دن 32 ہجری میں ہوا۔ ملاحظہ ہو: أسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۸۷

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبارک شیخین کریمین کے وصال کے بعد پر محمول ہوگا جو ہمیں کسی صورت میں مضر نہیں اور یہ مسئلہ محل نزاع نہیں کہ حسنین کریمین میں افضل کون ہے۔

خیر البریۃ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تحقیقی جائزہ

جناب شاہ صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے لیے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ انصاری سے حدیث اخراج کی۔ انہوں نے کہا:

''ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اتنے میں علی المرتضیٰ آنکلے تو سرکار ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ شخص اور اس کی جماعت کے لوگ ہی قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آجاتے تو وہ کہتے: سب مخلوق سے اچھا شخص آگیا۔''

مزید ص ۲۵۷ پر لکھتے ہیں:

''جاء خیر البریة اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن ابی سعید مرفوعاً: علی خیر البریة۔'' (درمنثور ۶/۵۸۹)

ترجمہ: ابن عدی و ابن عساکر نے ابوسعید سے مرفوعاً روایت کیا: ''علی بہترین مخلوق ہے۔''

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ ابن عساکر نے تاریخ دمشق ۴۲/۳۷۱ میں خیر البریة والی حدیث دو صحابہ کرام سے نقل کیں:

پہلی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے جب کہ دوسری حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے درج کی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری والی حدیث میں ایک راوی ابوالعباس بن عقدہ شیعہ ہے جو صحابہ کرام پر الزام لگاتا تھا۔

2: ابن نجار نے کہا:

ابو العباس بن عقدة الحافظ من کبار الشیعة وممن روی منکرات والمنشقات عن النبی ﷺ فی فضائل اهل البیت۔

(المستفاد فی ذیل تاریخ بغداد ۲/۱۲۰)

ا) علامہ ذہبی لکھتے ہیں: شیعی وضعفه غیر واحد۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۴۲۲)

ب) خطیب بغدادی نے کہا: فیه تساهل۔ (تاریخ بغداد رقم: ۱۵۷)

ج) ابوجعفر الطوسی نے کہا: کان ابن عقدة زیدیا جارودیاً۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۵/۲۵۱)

د) حافظ دارقطنی نے کہا:

أیش أکبر ما فی نفسك علیك فوقف ثم قال: الاکثار

بالمناکیر۔ (سوالات البرقانی: ۳۴)

ہ) ابن حیویۃ نے کہا: یملی مثالب أصحاب رسول الله ﷺ أو قال الشیخین یعنی أبابکر و عمر۔ (سوالات حمزة السهمی رقم: ۱۶۶)

و) امام جوزقانی نے کہا: مجروح۔ (الاباطیل والمناکیر والصحاح رقم: ۱۸۷)

3: اس سند میں دوسرا راوی ابراہیم بن انس الانصاری ہے۔ اس کی توثیق بھی ثابت کریں تاکہ عوام الناس کے سامنے حقائق آسکیں۔ لہٰذا حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث خیر البریة سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

4: حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث علی خیر البریة تو موضوع روایت ہے۔ مندرجہ ذیل محدثین کرام نے اسے موضوع یا ضعیف قرار دیا ہے:

(i) ابن القیسرانی نے کہا: احمد هذا کذاب۔ (تذکرۃ الحفاظ لابن القیسرانی رقم: ۵۲۸)

(ii) ابن عدی نے کہا: احادیث المناکیر۔ (الکامل ابن عدی ۱/۱۶۹)

(iii) ابن حبان نے کہا: لا یحل الاحتجاج به بحال۔ (المجروحین ۱/۱۴۰)

(iv) حافظ ابن حجر نے کہا: هذا کذب۔ (لسان المیزان رقم: ۵۶۲)

(v) علامہ ذہبی نے کہا: منکر۔ (میزان الاعتدال رقم: ۳۸۵)

لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی موضوع اور ضعیف ہے۔ لہٰذا ایسی احادیث کو معارضہ میں پیش کرنا ناانصافی ہے۔ امید ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنے پر غور و غوض کیا جائے گا۔

علی منّی کمنزلتی من ربّی کا تحقیقی جائزہ:

محترم قبلہ شاہ صاحب نے حضرت علی کی افضلیت پر ایک حدیث زبدۃ التحقیق ص ۲۵۸، ص ۲۵۹ پر نقل کی ہے:

قال جاء ابوبکر و علی یزوران قبر النبی ﷺ بعد وفاته ستة ایام، قال علی لابی بکر: تقدم یا خلیفة رسول الله فقال ابوبکر ما کنت لاتقدم رجلا سمعت رسول الله ﷺ یقول علی منی

کمنزلتی من ربی۔ (بہ حوالہ الریاض النضرۃ ۱/۱۱۹، ۱۱۸)

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ کے وصال پاک کے چھے دن بعد، ابوبکر صدیق ؓ وعلی المرتضیٰ ؓ قبر حضور ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے، علی المرتضیٰ نے ابوبکر صدیق ؓ سے کہا: اے خلیفہ رسول! آپ آگے ہوں۔ ابوبکر صدیق ؓ نے کہا میں ایسے آدمی سے آگے بڑھنے کا نہیں ہوں جس کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: علی المرتضیٰ کا مرتبہ میرے سامنے ویسے ہی ہے جیسا کہ میرا رتبہ پروردگار کے سامنے ہے۔

جواب 1: عرض یہ ہے کہ اس روایت کی سند نامعلوم ہے۔ لہٰذا بے سند روایت سے استدلال علمی طور پر صحیح نہیں جیسا کہ امام عبداللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں کہ

"الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء"

سند دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا کہتا رہتا۔

(الالماع للقاضی عیاض، باب رفع الاسناد فی القراءۃ والتخریج والعمل فیہ ص ۱۹۴)

اور خاص طور پر اس وقت جب اس حدیث سے آپ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی افضلیت کے تعارض پر دلیل پکڑ رہے ہیں۔

2: شاہ صاحب نے اس روایت کو مکمل نقل نہیں کیا ہے۔ آگے اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

فقال علی: ما کنت لأتقدم رجلاً سمعت النبی ﷺ یقول فیہ: ما منکم من أحد الا و قد کذبنی غیر أبی بکر، و ما منکم من احد یصبح الا علی بابہ ظلمۃ الا باب ابی بکر فقال ابو بکر: سمعت النبی یقول؟ قال: نعم: فأخذ أبو بکر بیدہ فدخلا جمیعاً۔

ترجمہ: علی المرتضیٰ نے جواب دیا کہ میں بھی اس شخص سے آگے نہیں بڑھ سکتا جس کے متعلق میں نے نبی کریم ﷺ کی زبان سے سنا ہے کہ ہر ایک نے میری تکذیب کی سوائے ابوبکر صدیق ؓ کے اور صبح اٹھتے ہر شخص کے دروازے پر اندھیرا ہوتا ہے سوائے ابوبکر صدیق کے۔ ؓ۔ ابوبکر صدیق نے پوچھا: کیا واقعی آپ نے نبی

کریم ﷺ سے یہ سنا ہے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ ہاں انہوں (حضرت ابوبکر صدیق) نے علی کا ہاتھ تھاما اور دونوں داخل ہوئے۔

لہٰذا بے سند روایت اور وہ بھی نامکمل روایت سے استدلال کرنا اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس روایت کو معارضہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ثانیاً: نیز خود مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے تواتر کے ساتھ تفضیل شیخین مروی ہے جیسا کہ امام ذہبی ؒ فرماتے ہیں کہ

"وقد روی ھذا عنہ من طرق کثیرۃ"

(المنتقی من منہاج الاعتدال، الفصل الثالث فی امامۃ علی ؓ)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ

"اجلہ صحابہ کرام اور حضرت علی ؓ کے احباب سے اَسّی (۸۰) حضرات نے تفضیل شیخین کا مسئلہ روایت کیا اور ان حضرات نے مختلف مواقع میں یہ مسئلہ حضرت علی ؓ سے سنا ہے۔" (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۳۸۳، مطبوعہ کراچی)

لہٰذا تواتر سے منقول اس مسئلہ کے مقابلہ میں بلا اسناد روایت کیوں کر مسموع ہوسکتی ہیں۔

حضرت سیّدہ عائشہ ؓ کا نظریہ ثلاثۃ من الانصار لم یکن احد منھم کا تحقیقی جائزہ

محترم شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۶۰ پر حضرت سیدہ عائشہ ؓ کا نظریہ بیان کرتے ہیں:

عن عائشۃ ؓ قالت ثلاثۃ من الانصار لم یکن احد منھم یلحق فی الفضل کلھم من بنی عبد الا شھل، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر وعباد بن بشر۔ (بہ حوالہ الاصابہ ۱/۲۳۵)

ترجمہ: تین انصاری تھے جن کو مرتبے میں کوئی بھی پہنچ نہیں سکتا تھا اور وہ سارے بنی عبد الاشہل میں سے تھے:

(۱) سعد بن معاذ (۲) اسید بن حضیر (۳) عباد بن بشیر

جواب 1: یہ قول مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔

اول تو یہ قول عموم پر ہی نہیں ہے کیوں کہ شاہ صاحب نے خود اس کے اندر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا استشہاد (بداہتِ عقلیہ) سے کیا ہے۔ تو بداہتِ عقلیہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استثنا کیوں نہیں ہو سکتا جب کہ افضلیت شیخین کریمین پر اجماع اہل سنّت ہونا بھی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

ثانیاً: اس حدیث مبارک سے مذکورہ بالا تین صحابہ کرام کی فضیلت کا اثبات تو کیا جاسکتا ہے نا کہ افضلیت بھی جو کہ حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود افضلیت شیخین کریمین پر دال حدیث مبارک کی راویہ ہیں ان کو مسئلہ افضلیت میں اہل سنّت و جماعت کے اجماع سے الگ تصور کرنا حقائق کے منافی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے کہ

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں تین چاند دیکھے جو کہ میرے حجرے میں اُتر آئے ہیں میں نے اس خواب کی تعبیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمائی آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ اگر یہ خواب سچ ہے تو اے عائشہ! آپ کے حجرے میں اہل الارض میں تین سب سے بہترین (افضل) اشخاص آپ کے حجرے میں مدفون ہوں گے۔ چناں چہ جب نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ اُن تین چاندوں میں سے ایک ہیں۔ (مستدرک للحاکم، کتاب المغازی والسرایا جلد ۳ ص ۶۲ رقم ۴۴۰۰)

یہ حدیث سنداً بھی ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے۔ یہ راوی مدلس ہے اور یہ روایت عن سے کر رہا ہے کیوں کہ محمد بن اسحاق طبقہ ثالثہ کے مدلسین میں سے ہے، لہٰذا طبقہ ثالثہ کے مدلسین کا عنعن یعنی وہ روایت جس میں عن سے روایت کرے تو ضعیف ہوتی ہے۔

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لیے لکھا:

"ورجاله ثقات الا ابن اسحاق عنعن." (مجمع الزوائد، رقم: ۱۴۹۳۴)

لہٰذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت ایک تو اپنے عموم پر نہیں ہے اور مزید یہ کہ یہ حدیث محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لہٰذا خاص روایات اور ضعیف اقوال سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کو متعارض نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ بالفرض یہ روایت صحیح تسلیم

کر بھی لی جائے تو مؤوّل ہوگی جیسا کہ امام سخاوی، امام قسطلانی اور عجلونی کے حوالہ جات اس ضمن میں سپردِ قرطاس کیے جاچکے ہیں۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

قبلہ محترم شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۶۱ پر مسئلہ افضلیت میں تعارض ثابت کرنے کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی دلیل لائے ہیں:

"اما انه لاخيرهم واحبهم الى رسول الله ﷺ."

(بہ حوالہ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ۲/۱۵۷)

ترجمہ: لیکن (زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ) وہ تو یقیناً سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب ہیں رسول اللہ ﷺ کو۔

جواب 1: عرض یہ ہے کہ اس روایت کی تمام سندوں میں مروان بن الحکم راوی ہے۔ جب کہ امام عینی معانی الاخبار میں مروان بن الحکم کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ "معاذ الله ان يحتج به." (معانی الاخبار للعینی ص ۶۷ تحت رقم ۵۸۵)

نیز قبلہ شاہ صاحب اپنی متعدد تقاریر میں مروان بن الحکم پر جرح اور لعن طعن کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا اس غیر معتبر راوی سے استشہاد کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

2: یہ حدیث بھی اپنے عموم پر نہیں ہے۔

حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۶۲ پر حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ بابت افضلیت اِس طرح لکھا ہے:

"...قال ابو عمر، كان يعترف بفضل ابى بكر و عمر بكنه يقدم عليًّا. (بہ حوالہ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ۷/۱۹۳)

ترجمہ: ابوعمر نے کہا (ابوالطفیل) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان سے افضل سمجھتے۔

جواب 1: عرض یہ ہے کہ ابوعمر (ابن عبدالبر) اور حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ کے درمیان سند منقطع ہے۔

لہٰذا بغیر سند کے کوئی قول معتبر نہیں ہوتا۔ لہٰذا بے سند اقوال سے اس تحقیقی مسئلہ اور خاص طور پر افضلیت کے مسئلہ پر استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔

2: اس قول میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کس بات یا شے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھتے تھے۔ اگر حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ کے اقوال کا مطالعہ صرف الاستیعاب میں ہی کر لیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اول اسلام سمجھتے تھے۔ اگر حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ اول اسلام میں یعنی پہلے اسلام لانے میں افضل سمجھتے تھے تو یہ نظریہ محترم شاہ صاحب کو بھی قبول نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ایک تو اول اسلام میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے اور مزید یہ کہ اول اسلام ہونے سے فضل کلی تو ثابت ہی نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت عامر بن واثلہ ابو طفیل رضی اللہ عنہ کے بے سند (جو کہ ضعیف ہوتی ہے) قول سے استدلال کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضلیت کے معارضہ میں پیش کرنا اصول کے مطابق احسن قدم نہیں ہے۔

3: بالفرض اس بے سند قول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات بھی ہوتا ہو تو ہمیں چنداں مضر نہیں کیوں کہ حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا تعلق کوفہ سے بھی رہا ملاحظہ ہو!

(أسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۶۸ رقم ۲۷۴۵)

اور کوفی حضرات کی طرف جب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول منقول ہو تو اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر افضلیت مراد ہوتی ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"و حکی الخطابی عن اهل السنة من الکوفة تقدیم علی علی عثمان." (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی صفحہ ۲۲۳)

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کا قائل لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (شرح فقہ اکبر)

علی امام المتّقین کا تحقیقی جائزہ:

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۶۳ پر مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

"قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم مرحباً سیّد

المسلمین و امام المتقین۔" (بہ حوالہ تاریخ دمشق ۴۲/۳۰۷)

ترجمہ: تمہارا آنا مبارک! اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام!

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ امام المتقین کے الفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ رقم: ۱۱۵۸۳ میں نبی پاک ﷺ کے لیے استعمال کیے ہیں۔

2: امام متقین کے الفاظ محدثین کرام نے امام شعبہ کے لیے استعمال بھی کیے ہیں۔

(تاریخ بغداد ۹/۲۶۳)

3: سیّد المسلمین کے الفاظ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی بولے گئے ہیں۔

(التحفة اللطیفة رقم: ۱۶۰)

اگر بداہۃ عقلی سے نبی کریم ﷺ یا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دے سکتا ہے تو کیوں نہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بداہۃ العقلی سے استثناء حاصل ہوگی۔ حالاں کہ احادیث کا جم غفیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دال ہیں۔

4: اس روایت کی سند تاریخ دمشق ۴۲/۳۰۷ پر کچھ یوں ہے:

"أنبانا ابو علی الحداد أنا ابو نعیم الحافظ عمر بن احمد القاضی القصائی نا علی بن العباس البجلی نا احمد بن یحیی نا الحسن بن الحسین نا ابراهیم بن ابراهیم بن یوسف بن أبی اسحاق عنه أبیه عن الشعبی قال قال علی قال"

(i) اس سند میں ایک راوی ابراہیم بن یوسف بن أبی یوسف مختلف فیہ راوی ہے۔

(الضعفاء والمتروکین رقم: ۱۴۱)

(ii) اس سند کا دوسرا راوی الحسن بن الحسین ہے۔ اس کو مندرجہ ذیل محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے۔

☆ ابن ابی حاتم نے کہا: لم یکن بصدوق عندهم کان من رؤسا الشیعة۔

(الجرح والتعدیل رقم: ۳/۶)

☆ ابن جوزی نے اس کو ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۸۱۰)

☆ ابن عدی نے کہا: روی احادیث مناکیر۔ (الکامل ابن عدی رقم: ۴۶۶ و ۲/۳۳۲)

☆ علامہ ذہبی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۱۳۸۹)

☆ ابن حبان نے کہا: یروی المقلوبات و من منا کیرہ۔ (لسان المیزان رقم: ۹۰۴)

(iii) اس سند میں تیسرا راوی احمد بن یحییٰ الکوفی الأحوال بھی مجروح راوی ہے۔

☆ ابن جوزی نے اسے ضعفا میں شمار کیا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۲۷۱)

☆ حافظ ذہبی نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۴۸۳)

☆ حافظ دارقطنی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین رقم: ۴۶)

☆ حافظ ابن حجر نے کہا: لیس بشیء۔ (لسان المیزان رقم: ۹۷۲)

☆ امام ابوحاتم نے کہا: حدیثا منکراً۔ (الجرح والتعدیل رقم ۱۸۶۔ ۲/ ۸۱)

اس مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اس روایت کی سند ضعیف اور مجروح ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ نیز عقائد کے کسی مسلمہ ''امام المتقین'' کے لفظ سے افضلیت حضرت علی ؓ کے اثبات پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی۔

افضلیت علی المرتضیٰ ؓ اور صحابہ کرام ؓ کا تحقیقی جائزہ:

قبلہ شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل روایت سے حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی افضلیت پر دلیل لی ہے:

عن أبي بريدة عن أبيه قال: خديجة ؓ اول من اسلم مع رسول الله ﷺ ثم علي و قال ابوذر و المقداد و خباب و جابر ابو سعيد الخدري و غيرهم ان عليا اول من اسلم بعد خديجة و فضله هولاء على غيره. (بحوالہ اسد الغابہ ۱/ ۷۹۱)

ترجمہ: ابن بریدۃ ؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: خدیجہ ؓ سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں پھر علی ؓ ایمان لائے اور ابوذر ؓ اور مقداد ؓ اور خباب ؓ اور جابر ؓ اور ابوسعید خدری ؓ نے کہا کہ علی المرتضیٰ سب سے پہلے ایمان لائے۔ جناب خدیجہ ؓ کے بعد اور ان لوگوں نے انہیں (علی المرتضیٰ) کو دوسرے صحابہ کرام اور افراد امت سے افضل سمجھا۔

جواب 1: مقام غور ہے کہ دلیل فضیلت کو مقام افضلیت پر پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ ''و فضله هولاء على غيره'' سے فضیلت کا اثبات تو ہو سکتا ہے نہ کہ مسئلہ افضلیت کا نیز شاہ عبدالحق محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ

''اور ابن عبدالبر جو مشہور محدث ہیں استیعاب میں بیان کرتے ہیں کہ سلف نے حضرت ابوبکر و علی کی تفضیل میں اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان، ابو ذر، مقداد، خباب، جابر، ابوسعید خدری، زید بن ارقم ؓم کا قول ہے کہ علی المرتضیٰ ؓ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے لیکن اپنے والد ابو طالب کے خوف کے سبب اپنے اسلام کو چھپایا یہ بھی منقول ہے کہ صحابہ کی یہ جماعت حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو ان کے سوا سب پر فضیلت دیتی ہے۔ یہ کلام ابن عبدالبر کا ہے لیکن علما بیان کرتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ قول مقبول و معتبر نہیں ہے کیوں کہ یہ شاذ روایت ہے جو جمہور کے قول کے خلاف ہے لہٰذا معتبر نہیں ہے۔ اور جمہور ائمہ کا اجماع اس باب میں نقل کیا جا چکا ہے۔'' (تکمیل الایمان ص ۱۶۷)

جواب 2: عرض یہ ہے کہ اس قول سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ روایت اوّل تو عموم پر نہیں ہے کیوں کہ اس روایت میں صاف صاف اول اسلام ہونے کی بات ہے۔ اس روایت کے الفاظ ''و فضله هولاء على غيره'' کسی صحابی سے ثابت نہیں بلکہ یہ الفاظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب ۳/ ۱۳۳۵ پر لکھے ہیں۔ یہ الفاظ اس روایت کے نہیں بلکہ ابن عبدالبر کے اپنے الفاظ ہیں۔

2: اگر بر سبیل تنزل یہ مان بھی لیں کہ یہ الفاظ ان صحابہ کرام کے ہیں تو افضلیت پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ اس روایت میں فضل کلی نہیں بلکہ فضل جزئی ہے۔ کیوں کہ اس روایت میں صراحت موجود ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ یا حضرت علی المرتضیٰ اول اسلام ہیں۔ لہٰذا ان کا حضرت علی المرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھنا صرف اول اسلام ہونے میں ہے نہ کہ کلی طور پر حضرت علی المرتضیٰ افضل ہیں۔

مزید یہ کہ اگر اول اسلام سے افضلیت ثابت ہوتی ہے تو خود اس روایت میں حضرت خدیجہ ؓ کا اول اسلام ہونا ظاہر ہے اور دیگر روایات میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت زید بن

حارثہ ؓ کا اول اسلام ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اول اسلام سے کلی افضل سمجھنا کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔

امام زید بن علی ؓ کے نظریہ کا تحقیقی جائزہ

شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۲۸۴ پر امام زید بن علی ؓ کا عقیدہ یوں پیش کیا ہے:

"وكان زيد بن علي يفضل علي بن ابي طالب على سائر اصحاب رسول الله ﷺ و يتولى ابابكر و عمر۔" (بہ حوالہ مقالات اسلامیین ۱/۱۳۷)

ترجمہ: اور امام زید بن علی ؓ جناب مولیٰ مرتضیٰ کو باقی اصحاب رسول اللہ ﷺ سے افضل سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ سے پیار کرتے تھے۔

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ ہرگز ہرگز بغیر سند کے اقوال مسئلہ تفضیل میں قبول نہیں کیے جاسکتے ہیں اگر تو فضائل کی بات ہوتی تو پھر بھی مشہور ہونے کی وجہ سے قابل قبول ہوتا اگر اس کے خلاف کوئی صحیح روایت موجود نہ ہوتی۔ مگر مسئلہ افضلیت میں مؤقف تو صرف صحیح روایات سے ہی قابل قبول ہوگا۔

2: اگر کوئی یہ کہے کہ امام اشعری بہت بڑے امام ہیں وہ ایسی بات کیسے نقل کر سکتے ہیں تو ادباً گزارش ہے کہ اگر امام اشعری ؒ کے علم کے آپ قائل ہیں تو پھر تو امام اشعری نے مسئلہ افضلیت ابوبکر صدیق ؓ کو قطعی لکھا ہے۔ اول تو آپ کو امام اشعری کی یہ بات بھی ماننا پڑے گی اور مزید یہ کہ اجماع اور قطعی کے مدمقابل خبر احاد اور اقوال کی حیثیت شاذ کی ہوگی اور شاذ قول پر عمل کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا۔

3: نیز عقائد کا اثبات محض امام زید بن علی ؓ کے اقوال سے ثابت نہیں ہوتا عقائد کے ماخذ قرآن، سنت، سوادِ اعظم اور عقل سلیمہ ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹، ص ۲۱۵)

"نحن اهل بيت لا يقاس" کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۲۹۹ پر ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عن انس نحن اهل بيت لا يقاس بنا احد۔

ترجمہ: ہم اہل بیت ہیں، ہمارے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔

(بہ حوالہ کتاب الفردوس ۴/۲۸۳ حدیث نمبر: ۶۸۳۸)

(جواب) 1: عرض یہ ہے کہ اہل بیت کے بہت سارے فضائل صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں مگر ایسی ضعیف اور موضوع روایت سے استدلال کرنا اہل علم کا شیوہ نہیں ہوا کرتا اس کی سند کتاب الفردوس میں تو نہیں مگر تاریخ دمشق ۳۰/۱۳۶۱ پر بہ ایں الفاظ موجود ہے:

أخبرنا بها ابو القاسم بن السمرقندي أنا ابو محمد الصريفيني نا ابو حفص عمر بن ابراهيم المقرئ ثنا ابو اسحاق ابراهيم بن جيش بن دينار المعدل نا محمد بن السري بن سهل القنطري نا يحيى بن شبيب نا حميد و دينار قالا ثنا أنس قال جاء رجل الى علي بن أبي طالب فقال خير الناس بعد رسول الله ﷺ قال له رأيت أبا بكر و عمر قال لا قال لو قلت اني رأيتهما لحددتك ثم قال خير هذا الأمة بعد نبيها أبوبكر و عمر نحن اهل بيت لا يقاس بنا أحد۔ (تاریخ دمشق ۳۰/۱۳۶۱)

اس کی سند پر کلام کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دو کہ ہم اہل بیت کو اپنا سرتاج سمجھتے ہیں ان کی عزت وتکریم کو حق سمجھتے ہیں ان کے قدموں کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے میں شرف سمجھتے ہیں مگر ان کی یہ عزت واحترام دیگر بہت ساری صحیح روایات سے ثابت ہیں اس حدیث پر کلام کرنے سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ میں اہل بیت کا نعوذ باللہ گستاخ ہوں کیوں کہ اہل بیت کی شان میں دیگر بہت ساری احادیث محفوظ ثابت ہیں۔

ایک مقام پر امام ذہبی ؒ نے کیا خوب فرمایا کہ

قلت قد اغنى الله عليا عن ان تقرر مناقبه بالاكاذيب و الاباطيل۔

"میں کہتا ہوں کہ اللہ نے حضرت علی ؓ کو اس بات سے مستغنی فرما دیا ہے کہ ان کے فضائل ومناقب اکاذیب اور اباطیل سے ثابت کیے جائیں۔"

(میزان الاعتدال، جلد ۳ ص ۳۵۶)

اس روایت میں "نحن اهل بيت لا يقاس بنا أحد" کے الفاظ غیر محفوظ اور اضافی

ہیں۔ کیوں کہ اس قبل کا متن دیگر اور روایات اور سندوں سے ثابت ہے مگر یہ سند بالکل ہی ضعیف اور موضوع ہے اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن شبیب الیمامی پر مندرجہ ذیل محدثین کرام نے کلام کیا ہے:

1: ابونعیم نے کہا: روی عن الثوری بالموضوعات۔ (الضعفاء ابونعیم رقم:۲۷۸)

2: خطیب بغدادی نے کہا: یحدث عن حمید وغیرہ أحادیث باطلة۔ (الموضوعات الجوزی ۲/۱۰۶)

3: ابن العراق الکنانی نے نقل کیا: حدث عن حمید الطویل و غیرہ أحادیث باطلة۔ (تنزیہ الشریعۃ ۱/۱۲۹)

4: ابن القیسرانی نے کہا: یحیی بن شبیب یروی الموضوعات۔ (معرفۃ التذکرۃ رقم: ۸۳۴)

5: حافظ عراقی نے کہا: یحیی بن شبیب ضعفہ بن حبان۔ (تخریج احیاء العلوم الدین ۴/۴۴۵)

6: ابن جوزی نے کہا: لا یجوز الاحتجاج بہ بحال۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۳۷۲۶)

7: ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: لا یجوز الاحتجاج بہ بحال۔ (المجروحین ۳/۱۲۸)

8: حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف لکھا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۶۹۸۹)

9: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی روایت کو موضوع اور کذب لکھا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۹۱۹)

10: حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی روایات کو موضوع اور جھوٹ لکھا ہے۔ (میزان الاعتدال رقم: ۹۵۴۳)

لہٰذا ایسے مجروح اور کذاب راوی جو کہ احادیث موضوعہ روایت کرتا ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ موضوع روایات کو اگر علت بتائے بغیر روایت کیا جائے تو محدثین کرام ایسے عمل کو حرام وممنوع کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسی موضوع روایات سے استدلال کرنے سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔ اور مزید یہ کہ اگر کسی روایت کا موضوع ہونا عیاں ہوجائے تو پھر اسے بیان کرنا صحیح نہیں ہے اور بالفرض اہل بیت پر کسی کو قیاس نہیں کرنا چاہیے سے مراد نسبی فضیلت ہے تو وہ محل نزاع نہیں محل نزاع تو افضلیت بربنائے تقویٰ ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی روایت لعلی الحق آخراً و اوّلاً کا تحقیقی جائزہ

محترم قبلہ شاہ صاحب نے حضرت حذیفہ بن یمان کی مندرجہ ذیل حدیث سے فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر استدلال کیا ہے۔ زبدۃ التحقیق ص۳۰۹، ص۳۱۰

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ...... خدا کی قسم علی رضی اللہ عنہ اول وآخر پر ہیں اور وہ ان سب سے بہتر ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بعد گذرے ہیں اور ان سے بھی افضل ہیں جو قیامت تک رہیں گے...... (بہ حوالہ مروج الذہب ۲/۳۸۴، ۳۸۳)

جواب 1: عرض یہ ہے کہ اوّل تو اس کتاب مروج الذہب کا مصنف ابوالحسن علی بن الحسین علی المسعودی پکا شیعہ ہے۔ لہٰذا شیعہ مصنف کی کتاب سے استدلال کرنا ہی مشکوک ہے۔

2: دوم یہ کہ مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذہب میں اس کی کوئی سند نہیں لکھی۔ لہٰذا ایسی بے سند اقوال سے مسئلہ افضلیت پر کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔ جب تک راویوں کا حال معلوم نہ ہوجائے تو روایت کو کیسے لیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس روایت (جو کہ بے سند ہے) سے استدلال کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس سے قبلہ شاہ صاحب اپنا موقف ثابت کرسکتے ہیں۔ اور مزید برآں سند کی افادیت واہمیت پر ہم حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول گذشتہ صفحات کی زینت بنا چلے ہیں۔

ولم ترعینی مثلہ ولا تری کا تحقیقی جائزہ

شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص۳۱۱ و ۳۱۲ پر مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

قال عن ابی الحسن رضی اللہ عنہ کان واللہ علم الھدی... وھو ابو السبطین
فھل یقارنہ بشر و زوج خیر النساء فھل یفوقہ قاطن بلد،
للاسود قتال و فی الحروب ختال و لم تر عینی مثلہ و لا تری،
فعلی من انتقصہ لعنۃ اللہ و ابصاد الی یوم التناد۔

(بہ حوالہ مروج الذہب ۳/۵۲، ۵۱)

ترجمہ: وہ سبطین کے باپ ہیں کیا کوئی انسان ان کے ہم پلہ اور ہم پایہ ہوگا؟ وہ دنیا کی سب سے اچھی افضل خاتون کے خاوند ہیں کیا کسی شہر کا رہنے والا ان سے برتری حاصل کرسکتا ہے۔ شہروں کے مقابلے میں سخت جنگ جو اور جنگ جو میں انتہائی بے دار مغز، میں آنکھ نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھے گی۔ ارے تم بھی نہیں دیکھو گے۔ اور جو انہیں عیب دار سمجھے اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ اور بندوں کی لعنت ہو۔

جواب 1: اول اس روایت کو نقل کرنے والا المسعودی پکا شیعہ ہے۔ لہٰذا اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

2: اس قول کی کوئی سند نہیں ہے۔ لہٰذا نامعلوم اور مجہول سندوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس قول سے مسئلہ افضلیت پر استدلال اصول وقواعد کے خلاف مبنی ہے۔

افضل هذه الأمة کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۳۱۶ وص ۳۱۷ پر مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

”...ابو سبطيه سيّدی شباب أهل الجنة و أفضل هذه الأمة۔“

(بہ حوالہ دمیری: حیاۃ الحیوان ۱/۶۱)

”وہ سبطین کا باپ ہے جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں اور وہ اس ساری امت سے افضل تھا۔“

جواب عرض یہ ہے کہ حیاۃ الحیوان کے مصنف علامہ دمیری سے معاویہ بن یزید بن معاویہ تک سند نامعلوم ہے لہٰذا یہ پہلے بھی گذارش کر دی گئی ہے کہ مسئلہ افضلیت پر ضعیف احادیث سے استدلال نہیں ہوسکتا تو پھر بغیر سند کے اقوال سے کیسے استدلال ممکن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس قول سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ نیز اس افضلیت سے مراد نسبی فضیلت ہے یا علمی فضیلت ہے اس کی تصریح بھی موجود نہیں ہے یہ قول اپنے اندر کئی احتمالات رکھتا ہے اور احتمال سے استدلال باطل ہوا کرتا ہے۔

ادعوا الی سیّد العرب کا تحقیقی جائزہ

زبدۃ التحقیق ص ۳۱۸ پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن الحسن بن علی قال قال رسول الله ﷺ اُدعوا الی سیّد العرب یعنی علی بن ابی طالب۔ (بہ حوالہ کنز العمال ۱۳/۴۴۸)

ادعوا لی سیّد العرب قالوا الست سیّد العرب؟ قال أنا سیّد ولد آدم و علی سیّد العرب... (بہ حوالہ طبرانی ۳/۸۸)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس عرب کے سردار یعنی علی بن ابی طالب کو بلاؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیا آپ عرب کے سردار نہیں؟ فرمایا: میں اولاد آدم کا سردار ہوں، علی عرب کا سردار ہے،...... یہ علی ہے تم اس سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے اور اس کی عزت کرو میری عزت کی وجہ سے بلاشبہ جبرائیل، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا جو میں نے تمہیں کہا۔

جواب 1: اس روایت کی سند حلیۃ الاولیاء ۱/۶۳ ذکر علی بن ابی طالب میں کچھ یوں ہے:

حدثنا احمد بن یعقوب بن المهرجان المعدل ثنا محمد بن عثمان بن ابی شیبة ثنا ابراهیم بن اسحاق الصبنی ثنا قیس بن الربیع عن لیث بن ابی سلیم عن ابن ابی لیلیٰ عن الحسن بن علی قال“

اس روایت کی سند معجم الکبیر میں محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے شروع ہوتی ہے بقیہ سند اس طرح ہی ہے۔ یہ روایت موضوع ہے مندرجہ ذیل محدثین کرام اس روایت پر موضوع کا حکم لگاتے ہیں:

1: امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

و كلها ضعيفة بل جنح الذهبي الى الحكم عليه بالوضع۔

(المقاصد الحسنۃ تحت رقم: ۵۷۸ ص: ۳۹۵)

2: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وله شواهد كلها ضعيفة. (الاسرار المرفوعۃ ۱/۲۲۰)

3: امام عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبهذا يعلم أن سيادة بالنسبة للشباب لا مطلقاً۔ (کشف الخفاء رقم: ۱۵۱۳)

4: علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رواه الطبرانی وفیه اسحاق بن ابراهيم الضبی وهو متروك۔

(مجمع الزوائد رقم: ۱۴۷۵۳)

5: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قال الذهبی فی مختصره: انه موضوع۔ (الدرر المنتثرة ۱۲/۱)

6: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فأكره انكار شيئاً۔ (المنتخب من علل الخلال رقم: ۱۱۸)

7: برہان الدین الحلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو باطل کہا ہے۔ (الكشف الحثيث ۱/۱۹۴)

8: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۴۴۴۳)

9: ابونعیم نے بھی اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ۸/۳۸۵ باب: زبید بن الحارث)

10: علی بن محمد الصلابی نے بھی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ (علی بن ابی طالب ۳/۲۱۱)

11: حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو باطل کہا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۸۲۶)

الغرض اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف اور موضوع ہیں۔ لہٰذا چاہے وہ تاریخ دمشق کی روایت ہو یا المعجم الکبیر الطبرانی کی یا حلیۃ الاولیا کی۔ اس حدیث کی تمام طرق واسناد ضعیف و موضوع ہیں۔ لہٰذا ایسی موضوع روایت سے استدلال کرنے اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول لم تزين عليا بل زينها کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۳۲۰ پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

اخبرنی عبد الله بن احمد بن حنبل ... ان الخلافة لم تزين عليًّا بل علی زينها۔ (بہ حوالہ مناقب امام احمد بن حنبل ص ۱۶۳، ۱۶۹ و تاریخ بغداد ۱/۱۰۹)

ترجمہ: علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت نے زینت نہیں بخشی بلکہ علی نے خلافت کو زینت بخشی ہے۔

اس روایت سے افضلیت تو ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسے نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔

کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول باب العقائد کافی ہے نیز امام احمد بن حنبل خود شد و مد کے

ساتھ افضلیت شیخین کے قائل ہیں جب کہ یہ قول بھی افضلیت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر صریح دال نہیں ہے۔

امام علی بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جس نے یہ زعم (خیال) کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو ہم نہ ہی اس سے ملتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں پس وہ بُرا شخص ہے۔

امام جعفر بن محمد نسائی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہو؟ آپ نے فرمایا: کتنا بُرا قول ہے۔ (السنۃ للخلال رقم: ۵۲۵)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو! (السنۃ لابی بکر بن الخلال، باب من فضل ابا بکر و عمر و وقف جلد ۲ ص ۴۵)

ثانیاً: خلافت کو زینت بخشنے سے افضلیت کا اثبات کیسے ہوتا ہے کیا پہلے تین خلفائے راشدین نے خلافت کو زینت نہیں بخشی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول اهل بیت لا یقاس بهم احد کا تحقیقی جائزہ

قبلہ شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۳۲۱ و ص ۳۲۲ پر امام احمد بن حنبل کے قول سے استدلال کرتے ہیں:

"عبد الله بن احمد بن حنبل يقول: حدث ابی بحديث سفينه ... قال يابنی علی بن ابی طالب من اهل بيت لا يقاس بهم أحد۔

(بہ حوالہ مناقب امام احمد بن حنبل ابن جوزی ص ۱۶۳)

ترجمہ: عبداللہ بن احمد کہتے ہیں: میرے والد صاحب نے حدیث سفینہ بیان کی۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے علی! تو اہل بیت میں سے ہیں ان کے برابر تو کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔

(جواب) عرض یہ ہے کہ مناقب امام احمد بن حنبل ابن جوزی ص ۱۶۳ اور دوسرے نسخے میں ص ۲۱۹ پر اس قول کی سند کچھ یوں ہے:

اخبرنا محمد بن ابی منصور، قال: أخبرنا محمد بن علی بن میمون

قال أخبرنا محمد بن علي بن عبد الرحمن قال: حدثنا ابو اسحاق ابراهيم بن احمد الطبري قال سمعت أبا الحسن احمد بن القاسم الريان قال: سمعت عبد الله بن احمد بن حنبل۔

اس سند کا ایک راوی أبا الحسن احمد بن القاسم الریان کو مندرجہ ذیل محدثین کرام نے ضعیف کہا ہے:

1: امام محمد الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لیس بالمرضی۔ (سوالات لحمزہ السلمی رقم:۱۵۲)

2: ابن ماکولا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فیہ ضعف۔ (الاکمال ۴/۱۱۲)

3: امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ضعیف۔ (المؤتلف والمختلف ۳/۱۸۴)

4: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان رقم:۷۷۱)

5: علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (میزان الاعتدال رقم:۵۱۸)

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس قول کے سند میں ایک راوی أبا الحسن احمد بن القاسم الریان ضعیف راوی ہے۔ لہٰذا ایسی ضعیف روایات سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے تفضیل شیخین متواتر اُمروی ہے۔

(i) امام محمد بن عوف الحمصی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا اس نے نبی کریم ﷺ پر طعن کیا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا تو اس نے حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر طعن کیا اور جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مولا علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا تو گویا اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر، اہل شوریٰ، مہاجرین اور انصار پر طعن کیا۔ (السنۃ للخلال رقم:۵۱۴)

(ii) امام جعفر بن محمد نسائی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہوں آپ نے فرمایا کتنا بُرا قول ہے۔ (السنۃ للخلال رقم:۵۲۵)

(iii) امام علی بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جس نے یہ زعم (خیال) کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو ہم نہ

ہی اس سے ملتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہیں پس وہ بُرا شخص ہے۔

(السنۃ للخلال رقم:۵۲۴)

ان مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا عقیدہ شیخین کی افضلیت کا ہے۔ لہٰذا ضعیف سندوں والی روایت سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ نقل کرنا اصول کے برخلاف تصور ہوگا۔

''اتقی سید تقمص و ارتدی'' اور ''لم ترعینی مثلہ'' کا تحقیقی جائزہ

محترم شاہ صاحب زبدۃ التحقیق ص ۳۲۵ و ص ۳۲۶ پر ایک روایت سے استدلال کیا ہے:

قال معاویۃ ... خیر من آمن و اتقی سید تقمص و ارتدی و افضل من حج و سعی ... زوج خیر النساء ابو سبطین، لم ترعینی مثلہ و لا تری حتی القیامۃ و اللقاء فمن لعنہ فعلیہ لعنۃ اللہ و العباد الی یوم القیامۃ۔

ترجمہ: حضرت معاویہ نے کہا...... سب ایمان والوں اور متقیوں سے افضل قمیص پہننے والوں اور چادر اوڑھنے والوں سے افضل، جنہوں نے حج کیا اور سعی کی ان سے اعلیٰ اور برتر...... وہ ملکہ جنت کے خاوند سبطین کریمین کے باپ، میری آنکھ نے ان کی مثل نہیں دیکھی اور نہ ہی تم قیامت تک دیکھو گے۔ جو شخص ان کو لعنت کرے اس پر خدا تعالیٰ اور بندوں کی قیامت تک لعنت ہے۔ (بہ حوالہ المعجم الکبیر ۱۰/۲۳۹)

(جواب) عرض یہ ہے کہ اس کی سند معجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۲۳۹ کچھ یوں ہے:

حدثنا محمد بن عثمان بن أبي شيبة ثنا هاشم بن محمد بن سعيد الهلالي ثنا ابو عامر الاسدي ثنا موسى بن عبد الملك بن عمير عن أبيه عن ربعي بن خراش قال أستاذن عبد الله بن عباس۔

1: اس سند کے راویوں میں ایک راوی ابو عامر الاسدی میرے مطالعہ میں مجہول الحال ہے۔

علامہ ہیثمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفیہ ابو عامر القاسم بن محمد الاسدی و لم ادر من ترجمۃ۔

(مجمع الزوائد رقم:۸۱۰ باب ۷۸)

2: اس سند کے دوسرے راوی موسیٰ بن عبدالملک بن عمیر کو مندرجہ ذیل محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(i) علامہ ہیثمی نے کہا: موسیٰ بن عبد الملك بن عمير و هو ضعيف۔
(مجمع الزوائد ۸/۱۵۶ رقم ۱۳۰۶۶)

(ii) امام ابوحاتم نے کہا: ضعیف الحدیث (الجرح والتعدیل رقم: ۶۸۴)

(iii) ابن جوزی نے اسے ضعفا میں لکھا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین رقم: ۳۴۶۰)

(iv) حافظ ذہبی نے اسے ضعیف راویوں میں لکھا ہے۔ (المغنی فی الضعفاء رقم: ۶۵۰۷)

(v) حافظ ابن حجر ؒ نے اس ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان رقم: ۶۳۹۹)

3: اس سند میں تیسرے راوی ہاشم بن محمد بن سعید الہلالی کی میرے علم کے مطابق کسی نے توثیق نہیں کی لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

اور یہ اصول سب کو ہی معلوم ہے کہ مجہول راویوں کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ اس لیے علامہ ہیثمی کے مجمع الزوائد ۹/۲۴۹ پر اس حدیث کے بعد لکھنا پڑا: وفيه من لم أعرفهم۔

لہٰذا اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اس روایت میں مجہول اور ضعیف راوی ہیں لہٰذا یہ سند ساقط الاحتجاج ہے۔ اور مسئلہ افضلیت میں اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً: اس قول سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ ؓ کا یہ فرمان شیخین کریمین کی حیات مبارکہ میں تھا؟ یا بعد از وصال؟ جب احتمال آ گیا تو استدلال باطل ہو گیا۔

امام حسن بن علی ؓ کی ''لا یسبقه الاوّلون بعمل'' کا تحقیقی جائزہ

محترم شاہ صاحب نے زبدۃ التحقیق ص ۳۲۶ پر مندرجہ ذیل حدیث لائے ہیں:

خطب الحسن ابن علی الناس حین قتل علی فحمد الله و اثنی علیه ثم قال لقد قبض فی هذا اللیلة رجل لا یسبقه الاولون بعمل و لا یدرك به الاخرون۔ (بحوالہ مستدرک الحاکم ۳/۱۸۹)

ترجمہ: حضرت امام حسن ؓ نے لوگوں کو خطاب کیا، حضرت علی المرتضیٰ ؓ شہید کر دیے گئے انہوں نے فرمایا اس رات کو ایک ایسا شخص واصل باللہ ہوا جس سے پہلے لوگ

کسی بھی عمل کے ذریعے سے سبقت نہ لے جا سکے اور نہ ہی آئندہ لوگ اس کو پہنچ پائیں گے۔

جواب: عرض یہ ہے کہ میرے علم کے مطابق مستدرک الحاکم میں اس کی سند کچھ یوں ہے:

حدثنا ابو محمد الحسن بن محمد بن يحيى بن أخي طاهر العتيقي الحسني ثنا اسماعيل بن محمد بن اسحاق بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين حدثني عمي علي بن جعفر بن محمد حدثني الحسين بن زيد عن عمر بن علي عن أبيه علي بن الحسين قال خطب الحسن بن علي ؓ۔

1: اس حدیث کے ایک راوی ابومحمد الحسن بن محمد بن یحییٰ بن اخی طاہر کی توثیق کسی محدث سے میرے علم کے مطابق ثابت نہیں اور یہ ممکن ہے کہ کسی کو اس کی توثیق مل جائے مگر فی الحال میرے علم کے مطابق راوی کی توثیق ثابت نہیں ہے۔ تاریخ بغداد رقم: ۳۸۷۴ پر خطیب بغدادی نے اس راوی کی ایک روایت پر جرح بھی نقل کی ہے۔

علامہ ذہبی ؒ نے اس حدیث کو تلخیص المستدرک رقم: ۴۸۰۲ میں لیس بصحیح کہا ہے۔ شیعوں کے رجال کے امام آغا طہرانی نے انہیں طبقات اعلام الشیعۃ میں ۱/۱۰۲ پر شیعہ راوی لکھا ہے۔

اس حدیث میں بعمل یعنی عمل کا لفظ خطا ہے، جب کہ صحیح لفظ علم ہے ملاحظہ کریں۔

(السنۃ ابن خلال رقم: ۴۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۲۷۷۳ باب فضائل علی بن ابی طالب ؓ، مسند امام احمد رقم الحدیث: ۱۷۱۹، المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلیٰ ۲/۱۲۱۵)

جب کہ ظہور احمد فیضی صاحب اپنی کتاب خصائص علی ؓ ص ۱۳۷ پر لکھتے ہیں:

۔۔۔اس جملہ کے الفاظ یہ ہیں: ما یسبقه الاولون و لا یدرکه الآخرون جب کہ اکثر کتب میں یہ جملہ بعلم کے اضافے کے ساتھ آیا ہے یعنی لم یسبقه الاولون بعلم و لا یدرکه الاخرون یعنی علم میں نہ اولین نے آپ پر سبقت کی اور آخرین آپ کے علمی مرتبہ کو پہنچیں گے۔ یہ جملہ بعلم کے لفظ کے ساتھ ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔۔۔''

2: اس سند کے دوسرے راوی اسماعیل بن محمد بن اسحاق بن جعفر کی توثیق بھی میرے مطالعہ کے مطابق کسی نے نہیں کی۔لہٰذا اس کی توثیق بھی ثابت کرنا ضروری ہے۔

اس سند میں کچھ اور راوی بھی مجہول ہیں۔اور ظاہر ہے کہ مجاہیل سے مروی احادیث ضعیف ہوا کرتی ہیں جو کہ بہ ہر کیف عقیدے کے اثبات کے لیے نا کافی ہیں کیوں کہ خود شاہ صاحب کے نظریے کے مطابق افضلیت باب العقائد سے ہے جس میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے اگر ا[illegible] راویوں کی توثیق بالفرض ثابت ہو بھی جائے تو باب العقائد میں نا کافی ہے۔(اللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب)

مندرجہ بالا تحقیق سے واضح ہوا کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں۔لہٰذا مسئلہ افضلیت [illegible] اس حدیث سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

ان مندرجہ بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ زبدۃ التحقیق کی مستدل احادیث اس پائے [illegible] میں جس سے احتجاج کیا جا سکے اور جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت والی قوی احاد[illegible] کے معارض بن سکے۔میری اس تحقیق سے اگر کسی کی دل آزاری ہو تو میں شرم سار ہوں کیو[illegible] کہ میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ تحقیق پیش کرنا ہے۔باقی فیصلہ قارئین کرام کا ہے کہ وہ [illegible] تحقیق کے بعد کیا اخذ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حق بات کہنے اور سمجھنے کی [illegible]یق عطا فرمائے۔(آمین)

"دارُالاسلام" کی تراث علمیہ

1	المُبِین مع تنقید وتبصرہ	حضرت سید محمد سلیمان اشرف بہاری	260
2	الرشاد	پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری	80
3	نُزْهَةُ الْمَقَال فِيْ لِحْيَةِ الرِّجَال	علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری	50
4	شرح المرقاۃ مع رسالہ وجود رابطی	مولانا عبدالحق خیرآبادی، برکات احمد ٹونکی	200
5	اِمام احمد رضا؛ ایک ہمہ جہت شخصیت	کوثر نیازی	10
6	ابحاثِ ضروری	ولی اللہ لاہوری، فقیر محمد جہلمی، خورشید احمد سعیدی	80
7	الروض المجود (وحدۃ الوجود)	علامہ فضل حق خیرآبادی، محمود احمد برکاتی	80
8	علامہ فضل حق خیرآبادی؛ چند عنوانات	خوشتر نورانی (ایڈیٹر جام نور)	160
9	حیاتِ استاذ العلما مولانا یار محمد بندیالوی	علامہ غلام سعیدی (دارالعلوم نعیمیہ کراچی)	80
10	مولودِ کعبہ کون؟	مولانا قاری محمد لقمان قادری	50 NET
11	من هو معاويه؟	مولانا قاری محمد لقمان قادری	80 NET
12	اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُولَ اللهِ	مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری	15 NET
13	نورِ ایمان (دیوان)	مولانا عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری	40 NET
14	توثیقِ صاحبین	فیصل خان رضوی (راول پنڈی)	100 NET
15	دفاعِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	سندھی، پرہاروی، بدایونی، جھنگوی، قاسمی	100 NET
16	افضلیت سیدنا صدیق اکبر پر اجماعِ اُمت	فیصل خان رضوی	100 NET
17	زبدۃ التحقیق کی روایات کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ	فیصل خان رضوی	30 NET
18	عقائد اہل سنت وجماعت	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی	25 NET
19	دیوانِ فضل حق خیرآبادی	تحقیق: ڈاکٹر سلمہ فردوس سیہول	000
20	رسائل	مولانا خیرالدین خیوری دہلوی	000
21	استشراق اور مستشرقین - ایک تاریخی وتنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر مصطفیٰ حسن سباعی	000
23	کلیاتِ کافیؔ	مولانا سید کفایت علی کافیؔ مراد آبادی	000